جلد ۱
شمارہ ۱

جنوری، فروری، مارچ
۲۰۲۲ء/۱۴۴۳ھ

فکر و عمل کا داعی اور تعمیر امت کا پیغام بر

سہ ماہی



# فکر فردا

مدیر
ڈاکٹر نور محمد لکھنوی

معاون مدیر
میزان الرحمن علائی

فکر فردا فاؤنڈیشن
حیدرآباد دکن، تلنگانہ، انڈیا

## اشاعتی تفصیلات

جلد: 1 / شمارہ: 1
[جنوری، فروری، مارچ] 2022ء / 1443ھ

**مدیر:** ڈاکٹر نور محمد لکھنوی
**معاون مدیر:** میزان الرحمن علائی

## مجلس ادارت



## مجلس ادارت / ایڈیٹوریل ٹیم / مجلے کے حقوق

1- مجلہ۔فکر فردا بغیر کسی عذر کے مقالے کو قبول کرنے سے منع کر سکتا ہے۔
2- مقالہ قبول ہونے کے بعد اس کی اشاعت کب کرنا ہے؟ یہ فیصلہ مجلس ادارت کی صواب دید پر ہوگا۔
3- مجلہ۔فکر فردا اور اس کی مجلس ادارت کا مقالہ نگار حضرات کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
4- مقالہ نگار حضرات اپنی آراء و تحقیقات سے متعلق حوالہ جات اور ضروری معلومات فراہم کرنے کے خود ذمہ دار ہوں گے۔
5- مقالہ نگار حضرات کی کسی بھی شرعی یا قانونی لغزش و خطا کے معاملے میں مجلہ۔فکر فردا اور اس کی مجلس ادارت ذمہ دار نہیں ہوگی۔
6- اس مجلہ میں مطبوعہ کسی بھی تحریر کی اشاعت نو کے لیے مجلس ادارت سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے۔

**اپنے علمی اور فکری مقالات و منظومات درج ذیل ای میل ایڈریس پر ارسال فرمائیں:**

**معاون مدیر:** fikrefarda.content@gmail.com
**مینیجر:** manager.fikrefarda@gmail.com

Conceptualised, Owned & Electronically Published by Basharath Ali Siddiqui,
from Hyderabad, Telangana, India for Fikr-e-Farda Foundation, Hyderabad.
Address: Happy Homes Gardens; Flat # 310 & 311, Attapur Ring Road, Hyderguda, Upparpally PO,
Rajendranagar, Hyderabad, Telangana.
Contact Details: 00966501933690 / 00919121569542/ 00919502314649
Email Address: manager.fikrefarda@gmail.com

Designed By - AlQalamArts.com - Owais Siddiqui

## ضیاے افکار

# مناجات در بارگاہ باری تعالیٰ

ڈاکٹر حسین مشاہد رضوی

سر اُٹھائے ہے شَر خداوندا
وقت ہے پُر خطر خداوندا

سخت مشکل میں ہیں مکینِ وطن
سب کی لینا خبر خداوندا

جوش پر ظالموں کی شدت ہے
ہو کرم کی نظر خداوندا

چھوڑ کر سیرتِ شہِ بطحا
ہم ہیں زیرِ ضَر ر خداوندا

ہر سو کمزور پڑگئے ہیں ہم
بخش فتح وظفر خداوندا

تیرے احکام بھول بیٹھے جب
ہم ہوئے بے اثر خداوندا

بخش دے مغفرت کی شب آئی
زیر سے کر زَبر خداوندا

ہم کو توفیقِ توبہ مل جائے
ہو دعا میں اثر خداوندا

ہے دعا گو مشاہدِ رضوی
اُس کو تُو نیک کر خداوندا

# آؤ عہد کرتے ہیں

نور مُحمّد لکھنوی

آسمان کے نیچے خلد اک بنانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

خود کو آزمانے کا کر کے کچھ دکھانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

جو ہوا، ہوا، اس کا، غم نہیں منانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

چلتے چلتے، راہوں میں، نقش چھوڑ جانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

سونی سونی محفل میں نغمہ چھیڑ جانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

سہمی سہمی آنکھوں میں حوصلہ جگانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

بھیگی بھیگی پلکوں کے بوجھ کو اٹھانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

دین و قوم کے اوپر جسم و جاں لٹانے کا
آؤ عہد کرتے ہیں اک جہاں بسانے کا

# یہ گلشن تازہ ہے ہم سب کے لئے یکساں

نور مُحمّد لکھنوی

مجلس فکر فردا علم دوست افراد پر مشتمل ایک جماعت ہے۔قلت علم اور کثرت معلومات کے اس ہوش ربا عہد میں اس جماعت کے افراد نے یہ فیصلہ لیا کہ سنان افکار کو صیقل کیا جائے، گلبن نظریات کو سینچا جائے اور فکر و تحقیق کی ایک نئی انجمن سجائی جائے تاکہ پست حوصلوں میں توانائی کی شراب اور مردہ رگوں میں تعمیر قوم و ملت کا خمار پیدا ہو۔رسالہ ”فکر فردا“ اسی سوچ کا عملی اظہار ہے۔

> مہ صیام میں آیا جو وہ ہلال ابرو
> گماں ہوا یہ مجھے چاند عید کا نکلا
> میاں داد خان سیاح

اس پہلے شمارے سے فکر فردا کا آغاز سفر ہے۔خدا کرے یہ سفر دراز سے دراز تر ہوتا رہے اور فکر فردا کے پلیٹ فارم سے فکر و تحقیق کے گیسو سنورتے رہیں۔یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور تغیرات زمانہ کے پیش نظر اس کا وجود برقی ہے۔دعوت فکر و عمل کے توسط سے تعمیر امت کے جذبات جگانا اور تشکیل معاشرت کی علمی و فکری راہیں ہموار کرنا اس کا بنیادی موٹو ہے۔دیگر اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

١ اصحاب فکر و دانش کو اظہار خیالات کے لئے ایک لوح فکر فراہم کرنا۔

٢ ارباب قلم کی عمدہ نگارشات کی ترسیل۔

٣ نوجوان قلم کاروں کو میدان تحریر کی طرف متوجہ کرنا۔

٤ تحریر اور مقالہ نگاری میں تحقیقی مزاج و اسلوب کو فروغ دینا۔

٥ فکری تخلیقات کی حوصلہ افزائی کرنا۔

٦ اچھوتے علمی موضوعات پر دعوت تحریر و تحقیق۔

٧ معیاری ادب کی آبیاری۔

٨ علمی، فکری اور ادبی ارتقاء کی جانب پیش رفت۔

٩ ادبی حلاوت کے ساتھ معقولی اور استدلالی طرز فکر کی تعمیر و تشکیل۔

١٠ مستقبل کے لئے علمی و فکری منصوبہ بندی۔

ان مقاصد اور جذبات کا اظہار نظم کے پیرائے میں کچھ اس طرح ہوا ہے:

کیوں امت مرحومہ تدبیر سے روگرداں؟ — تعمیر سے غافل ہے کیوں لشکر جانبازاں؟
تکنیک کی دنیا میں، ترسیل ہوئی آساں! — تبلیغ میں الجھا ہے، اس دور کا ہر انساں!
آزاد فضاؤں میں جو سانس نہیں لیتا — پابند نشیمن وہ، ہر گام ہے سرگرداں
تشکیل ہو امت کی تعمیر ہو ملت کی — اس سوچ سے پھوٹا ہے، فوارہ گل افشاں
پژمردہ گلابوں میں کچھ عطر نیا آئے — بوسیدہ سے پتوں کی خوشبو ہو شرر افشاں
افراد کے آنگن میں فردا کا اجالا ہو — افکار کی دنیا ہو افلاک سے سرگوشاں
تفکیر کے عارض پر، تطہیر کا غازہ ہو — تحقیق کی صہبا سے اوراق ہوں سرشاراں
سدرہ کا تخیل ہو، اسلوب ہو طوبیٰ کا — جذبات کی شاخوں پر مفہوم ہو آویزاں
معقول عناویں ہوں، مضبوط دلائل ہوں — خاشاک کے خرمن پر شمشاد نہ ہو حیراں
انداز ہو سنجیدہ، دانش کا ملمع ہو — تفہیم بھی عصری ہو، یہ شرط رہی یاراں
جو بات کہی جائے معقول ہو، لازم ہے — قرطاس کی سطروں میں اظہار بھی ہو شایاں
خوش رنگ نظاروں سے معمور بہاریں ہیں — یہ گلشن تازہ ہے، ہم سب کے لئے یکساں
علمی ہو کہ فکری ہو تحقیقی ہو یا ادبی — امت کے مسائل کا، احوال کا ہے پرساں
تصویر دکھاؤں کیا، میں شاہد غایت کی؟! — اس پار ثریا کے ہے منزل درویشاں
ساون ہو کہ بھادوں ہو، پت جھڑ یا بہاراں ہو — اشعار کے قلزم میں نوری کا قلم نیساں

شمارے کا آغاز دو نظموں سے کیا گیا ہے۔ پہلی نظم ڈاکٹر حسین مشاہد کے قلم سے مناجات کی شکل میں ہے۔ اس نظم میں مطلع کے مصرعہ اول میں سر اور شر کی تجنیس ناقص بڑی پر لطف ہے۔ درمیان سخن "زیر سے کر زبر خداوندا" میں زیر اور زبر کا رشتہ تضاد بھی خوب ہے۔ دوسری نظم راقم کی کاوش فکر ہے۔ اس نظم کا معاملہ بڑا عجیب ہوا ہے۔ اسے راقم نے گیارہ سال پہلے بس یوں ہی ایک رف کاپی میں مسودے کی شکل میں تحریر کیا تھا۔ اس کے بعد کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ چند ماہ پہلے وہ رف کاپی ہاتھ لگی اور یہ نظم پھر سے ذہنی دریچے پر دستک کناں ہوئی۔ "یوں ہی" لکھی ہوئی نظم کے ساتھ کیا کیا جائے، سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ یادداشت کے خانے سے محو کر دیا جائے یا پھر پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیا جائے؟ کیوں کہ اس میں ایک مصرعے کی تکرار پر صرف چند دیگر مصرعوں کا اضافہ تھا، مزید یہ کہ چند اشعار کی یہ پوری نظم خواب وخیال کی سرحد پر بیٹھ کر بس ایک من چاہی دنیا تعمیر کرنے کے محور پر گردش کر رہی تھی۔ تلاش نو کے بعد راقم نے اسے، بغیر کسی خاص مقصد کے، کمپیوٹر اسکرین پر منتقل کر دیا۔ پھر اتفاق سے "فکر فردا" کے خیمے تک اس کی رسائی ہوگئی اور یہاں اس کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ اس انتقال مکانی اور پذیرائی کا نتیجہ ہے کہ عہد وپیمان کے ساتھ ایک جہان نو تعمیر کرنے کی دعوت دیتے ہوئے یہ نظم آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

دو نظموں کے بعد پہلی نثری تحریر ذات باری عز اسمہ وجل جلالہ کی تنزیہ وتقدیس پر مشتمل ہے، جس میں اکابرین امت کے اقوال وارشادات کی مدد سے اس اجماعی حقیقت کے رخ روشن پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے کہ رب کائنات جہت سے ماورا اور مکان کی حد بندیوں سے ارفع واعلیٰ ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع سیرت رسول کا بڑا تابناک، فکر انگیز اور جامع پہلو ہے۔ عموما اس کے اجزا یکجا نہیں ملتے، بلکہ حدیث، اور تاریخ و سیر کی مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ "خطبہ حجۃ الوداع اور حقوق انسانی کا عالمگیر منشور" کے عنوان سے قلم بند کئے مقالے میں مکمل خطبہ تو نہیں درج کیا گیا، لیکن اس کے مختلف اجزا کی نشاندہی کر دی گئی ہے، تا کہ مکمل متن کی طرف رجوع آسان ہو جائے۔ خطبہ حجۃ الوداع کا سب سے نمایاں اور امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں حقوق انسانی کو بڑی وسعت و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جدید دور میں حقوق انسانی کا موضوع قانونی و سماجی مطالعات میں ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پس منظر میں خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کافی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات عظمت و بزرگی کے جس برج رفعت پر فائز ہے، وہ اہل اسلام سے مخفی نہیں۔ ڈاکٹر نعیمی صاحب نے اپنے مقالے میں یہ دکھایا ہے کہ غیر مسلم اہل خرد بھی شیر خدا کی ذات والا صفات کے وارفتہ و شیدا ہے، اور صرف نثر ہی نہیں بلکہ نظم کی صورت میں بھی انہوں نے اپنے والہانہ جذبات کا اظہار سلیقے سے کیا ہے۔ حضرت علی کے باب مناقب میں نعیمی صاحب کا یہ مقالہ واقعی ایک نئے پہلو سے روشناس کراتا ہے۔

مسلم نوجوان اور مذہب سے دوری، ساجد علی مصباحی صاحب کے قلم سے ایک دل پذیر اور عبرت آموز تحریر ہے، جو آیات کریمات و احادیث طیبات سے مزین اور معاشرتی حقائق سے لبریز ہے۔اس میں نوجوانی کے امراض کی نشاندہی بھی ہے اور ان امراض کا تریاق بھی۔
حضرت سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت –علیہ الرحمہ– کی علمی جلالت شان و علو مرتبت پر میزان الرحمن علائی صاحب کے ذریعے محنت و جانفشانی سے تیار کیا گیا مقالہ کافی تفصیلی، چشم کشا اور معلومات افزا ہے۔ امید ہے علائی صاحب اس طرح کے علمی گہر پاروں سے فکر فردا کی بزم کو مہکاتے رہیں گے۔

ابتدا کی طرح اس شمارے کی انتہا بھی ایک نظم پر ہے۔ یہ نظم ۸ فروری ۲۰۲۲ کے اس سانحہ پر مبنی ہے، جو ریاست کرناٹک میں مسکان نامی ایک باحجاب دوشیزہ اور زعفرانی شر پسندوں کے درمیان پیش آیا۔ کرناٹک ہائی کورٹ کا فیصلہ اگرچہ حجاب کی مخالفت میں آیا ہے، لیکن ٹیپو کے شہر والی لڑکی کا نعرہ تکبیر ارض ہند ہی نہیں، پوری دنیا کے لئے "ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور" کا استعارہ اور عملی پیکر بن گیا ہے۔ نظم میں اسی جذبے کو لفظوں کا پیراہن پہنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

بالکل آخری تحریر مستقل کوئی مقالہ نہیں ہے، بلکہ جو لوگ فکر فردا کی محفل میں قدم رنجہ فرمانا چاہتے ہیں، ان کے لئے رہنما ہدایات ہیں، تا کہ مقالہ نگار حضرات ان امور کا خیال رکھتے ہوئے، فکر فردا کے لئے مقالات قلم بند کریں۔

سہ ماہی فکر فردا کا سبب ظہور اور اس کے مقاصد آپ کے گوش گزار کئے جا چکے۔ شمارہ آپ کے سامنے ہے، مطالعہ کریں اور اپنے خیالات و تاثرات سے آگاہ فرمائیں تا کہ "فکر فردا" چند نفری فکر کا نام نہ رہے، بلکہ ترقی کر کے ایک مثبت اور توانا علمی و فکری تحریک کا روپ اختیار کر سکے۔

بہار آئے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں
خزاں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بنے

# اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے پاک ہے: اہل سنت کا متفقہ نظریہ

شیخ خلیل دریان ازہری - ترجمہ: افضل حسین مصباحی، عبد القدوس مصباحی، میزان الرحمن علائی

ترتیب جدید: بشارت علی صدیقی

اہل اسلام اور اہل سنت و جماعت کے متقدمین و متاخرین ائمہ اصول و فروع کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل مکان و زمان اور جہت وغیرہ سے پاک و منزہ ہے۔ اُس کے لیے کسی جگہ میں موجود ہونے کو متعین کرنا یا اس کے لیے جہت و سمت یا جسم و اعضا وغیرہ ثابت کرنا کفر ہے۔ کتب عقائد دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔

امام جمال الدین عبد الرحمن ابن الجوزی حنبلی بغدادی [م:۵۹۷ھ] کی ”دفع شبه التشبيه باكف التنزيه“ اور ”مجالس ابن الجوزی فی المتشابهات من الآيات القرآنية“؛ امام قاضی شہاب الدین احمد بن یحیی معروف بہ ابن جہبل الکلابی شافعی دمشقی [م:۷۳۳ھ] کی ”الرد علی من قال بالجهة“ [رسالة عن نفی الجهة]؛ شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی شافعی دمشقی [م:۷۵۶ھ] کی ”السيف الصقيل فی الرد على ابن زفيل (ابن القيم)“؛ امام علی المیلی کی ”السيف المشرقية لقطع اعانق القائلين بالجهة و الجسمية“؛ امام تقی الدین ابو بکر بن محمد الحصنی شافعی دمشقی [م:۸۲۹ھ] کی ”دفع شبهة من شبه و تمرد و نسب ذلك الى السيد الجليل الامام احمد“؛ امام احمد رضا خان حنفی بریلوی [م: ۱۳۴۰ھ] کی ”قوارع القهار على المجسمة الفجار“ اور امام یوسف بن اسماعیل شافعی نبہانی [م: ۱۳۵۰ھ] کی ”دفع الاشتباه فی استحالة الجهة على الله“ اس موضوع پر اہل اسلام کے اجماعی نظریات کو پیش کرنے والی بہترین کتابیں ہیں۔

۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں شیخ خلیل دریان الازہری کی ”غاية البيان فی تنزيه الله عن الجهة و المكان“ کا دوسرا ایڈیشن ”شركة دار المشارع“، بیروت، لبنان سے منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کے آٹھویں باب: ”ذكر النقول من المذاهب الاربعة و غيرها على ان اهل السنة يقولون: الله موجود بلا مكان و لا جهة“ میں اس عنوان پر ۲۷۰ اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ اسی باب کا ایک اختصار ”البرهان فی تنزيه الله عن الجهة و المكان“ ۸۹ اقوال پر مشتمل بھی آن لائن دستیاب ہے اور ۲۰۱۰ء میں ”جمیعة المشارع الخيرية الاسلامية، لبنان“ کی فرانسیسی شاخ سے ۱۲۱ اقوال پر مشتمل یہی باب ایک مختصر رسالہ کی شکل میں ”ذكر النقول من المذاهب الاربعة و غيرها على ان اهل السنة يقولون: الله موجود بلا مكان و لا جهة“ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء میں علامہ محمد ثاقب اقبال شامی صاحب کی کتاب ”سبحان الرحمن عن الجسم و الجهة و المكان“ تحریک کنزالھدی انٹرنیشنل، یوکے سے اردو زبان میں شائع ہوئی جس میں مصنف نے اس موضوع پر ۳۱ شخصیات کے اقوال پیش کیے ہیں۔

”غاية البيان فی تنزيه الله عن الجهة و المكان“ کے باب: ”ذكر النقول من المذاهب الاربعة و غيرها على ان اهل السنة يقولون: الله موجود بلا مكان و لا جهة“ سے منتخب ۱۲۱ اقوال کا ترجمہ ۲۰۱۶ء میں مولانا افضل حسین مصباحی نے کیا تھا، مگر یہ شائع نہ ہو سکا۔ اس ترجمے پر حال ہی میں مولانا عبد القدوس مصباحی اور مولانا میزان الرحمن علائی نے نظر ثانی کی ہے اور اب اسی سے منتخب ۵۲ شخصیات اسلام کے اقوال ترتیب جدید کے ساتھ اس مقالے میں پیش خدمت ہیں۔ بشارت علی صدیقی۔

# اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے پاک ہے، اس نظریے پر ائمہ سلف و خلف کے اقوال ملاحظہ ہوں:

## اجلہ صحابہ کرام کا نظریہ

۱-حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (م:۱۳ھ) نے فرمایا:

العَجْزُ عَنْ دَرَكِ الإِدْرَاكِ إِدْرَاكُ
وَالبَحْثُ عَنْ سِرِّ ذاتِ السرِّ إِشْرَاكُ

ترجمہ:

"کسی چیز کی حقیقت کو جاننے سے عاجز رہ جانا بھی گویا اُس چیز کو جان لینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے بحث و مباحثہ کفر اور شرک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔"[۱]

۲-معظم و مکرم صحابی، خلیفۂ راشد، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ (م:۴۰ھ) کا قول، ابو منصور بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفِرق" میں اس طرح مذکور ہے:

"كان الله ولا مكان، وهو الآن علىٰ ما عليه كان أي بلا مكان".

"اللہ تعالیٰ بغیر کسی جگہ و مکان کے ازل سے موجود اور جلوہ گر ہے اور اب بھی وہ اپنی سابقہ شان کے مطابق بغیر کسی مکان کے موجود ہے۔"

نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"ان الله تعالىٰ خلق العرش إظهارا لقدرته لا مكانا لذاته".

"اللہ تعالیٰ نے عرش کو محض اپنی قدرت کا اظہار کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، نہ کہ اپنی ذات کی جگہ و مکان کے لیے۔"[۲]

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تیسرا قول اس طرح مرقوم ہے:

"من زعم أن إلٰهنا محدود فقد جهل الخالق المعبود".

"جو شخص یہ گمان کرلے کہ ہمارا خدا محدود یعنی کسی سمت میں موجود ہے، تو وہ بلاشبہ اپنے خالق اور معبود کی معرفت سے ناآشنا ہے۔"[۳]

نوٹ: محدود اسے کہتے ہیں جس کے لیے چھوٹا یا بڑا حجم ہو۔

## ائمہ اہل بیت کا موقف

۱-معزز تابعی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (م:۹۴ھ) کا موقف:

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالی عنہم کا قول:

"أنت الله الذي لا يحويك مكان".

"اے اللہ! تیری ذات وہ ہے جسے کوئی جگہ گھیر نہیں سکتی۔"[۴]

نیز آپ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"أنت الله الذی لا تحد فتكون محدودا".

"اے اللہ! تو وہ ہے جس کی کوئی حد نہیں، کہ تو محدود ہو جائے۔"[۵]

(معاذ اللہ! تو ایسی صفت تحدید سے پاک ہے۔)

### ۲-امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (م:۱۴۸ھ) کا موقف:

امام جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن علی بن حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں "الثقات لابن حبان"[٦] میں لکھا ہے کہ آپ اہلِ بیت کے سادات میں سے ہیں اور زبردست فقیہ، عالم ربانی اور بڑے کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔

زیر نظر قضیہ کے تعلق سے آپ کا ایک قول یہ ہے:

"من زعم أن الله فی شیئ أو من شیئ أو علیٰ شیئ فقد أشرك، إذ لو كان علیٰ شیئ لكان محمولا، ولو كان فی شیئ لكان محصورا، ولو كان من شیئ لكان محدثا أی مخلوقا".

"واللہ کے تعلق سے یہ گمان رکھے کہ اللہ کسی چیز میں موجود ہے، یا کسی چیز سے اُس کا وجود ہے، یا کسی چیز پر وہ جلوہ گر ہے تو اُس نے یقیناً شرک کیا؛ اِس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز پر موجود ہو تو وہ محمول ہو جائے گا اور اگر وہ کسی چیز کے اندر موجود ہو تو وہ محصور ہو گا اور یوں ہی اگر وہ کسی چیز سے موجود ہو تو (معاذ اللہ!) یقینی طور پر اُس کا حادث یعنی مخلوق ہونا لازم آئے گا (جو یقیناً باطل ہے)۔"[۷]

## ائمہ اربعہ کا نظریہ

### ۱-امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (م:۱۵۰ھ) کا موقف:

مجتہد علی الاطلاق امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت جو ہمارے اسلاف میں ایک بہت ہی مشہور شخصیت اور مذہب حنفی کے امام ہیں، نے "فقہ اکبر" میں فرمایا:

"والله تعالیٰ یریٰ فی الآخرة. ویراه المؤمنون وهم فی الجنة بأعین رؤوسهم بلا تشبیه ولا كمیة. ولا یكون بینه وبین خلقه مسافة".

"اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھا جائے گا اور مومنین اُسے بغیر کسی تشبیہ و مقدار کے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھیں گے، اور حالت یہ ہو گی کہ اللہ عزوجل اور اُس کی مخلوق کے درمیان کوئی مسافت و دوری نہیں ہو گی۔"[۸]

نیز آپ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الوصیة" میں ایک قول ذکر کیا ہے جسے بعد میں ملا علی قاری نے "شرح فقہ اکبر" میں نقل کیا ہے، وہ قول یہ ہے:

"ولقاء الله تعالیٰ لأهل الجنة بلا كیف ولا تشبیه ولا جهة حق".

"جنتیوں کے لیے اللہ عزوجل کا دیدار کسی حالت و کیفیت، تشبیہ اور جہت و سمت کے بغیر حق و درست ہے۔"[۹]

نیز امام اعظم کا ایک اور قول "الفقه الأبسط" نامی کتاب میں مذکور ہے، جسے امام محمد زاہد کوثری نے اپنی تحقیق کے ساتھ "العقیدة وعلم الكلام" نامی مجموعہ کتب میں شائع کیا ہے۔ قول یوں ہے:

"قلت: أرأیت لو قیل: أین الله تعالیٰ؟ فقال -أی أبو حنیفة-: یقال له: كان الله تعالیٰ ولا مكان قبل أن یخلق

الخلق، وكان الله تعالىٰ ولم يكن أين ولا خلق ولا شيئ، وهو خالق كل شيئ."

"میں نے کہا: اگر کوئی یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟" تو آپ کیا جواب دیں گے؟ امام اعظم نے فرمایا: ایسا کہنے والے شخص کو جواب دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی تھا جب کوئی جگہ نہ تھی؛ اور اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی تھا جب نہ یہ "کہاں" تھا، نہ کوئی مخلوق تھی اور نہ ہی کوئی اور چیز معرضِ وجود میں آئی تھی؛ اور وہی ہے ہر چیز کا پیدا فرمانے والا۔" [۱۰]

امام اعظم کا ایک قول، ان کے وصایا میں اس طرح سے منقول ہے:

"ونقر بأن الله سبحانه وتعالىٰ على العرش استوىٰ من غير أن يكون له حاجة إليه واستقرار عليه، وهو حافظ العرش وغير العرش من غير احتياج، فلو كان محتاجا لما قدر على إيجاد العالم وتدبيره."

"اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ گر ہے، مگر اسے اس کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ اس پر ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ کسی احتیاج اور حاجت کے بغیر عرش اور عرش کے علاوہ بھی ساری چیزوں کا نگہبان ہے، کیوں کہ اگر وہ محتاج ہوتا تو وہ دنیا کو پیدا کرنے اور اس کو چلانے پر قادر نہ ہوتا۔" [۱۱]

امام اعظم کا ایک اور قول "الفقه الأبسط" میں اس طرح مذکور ہے:

"من قال لا أعرف ربي في السماء أو في الأرض فقد كفر."

"جو شخص یہ کہے کہ میں اپنے رب کو نہ آسمان میں پہچانتا ہوں، نہ زمین میں، تو اس نے کفر کیا۔" [۱۲]

اس سے امام اعظم کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف تحیز اور مکان کو منسوب کرے اور پھر یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا اس کے ٹھہرنے کی جگہ آسمان ہے یا زمین، تو ایسا کہنے والا شخص کافر ہے۔ اور شیخ امام عزبن عبدالسلام شافعی نے اپنی کتاب "حل الرموز" [۱۳] میں امام اعظم کے مذکورہ قول کی مراد کے تعلق سے فرمایا کہ آپ کا یہ قول حکم کفر اس لیے رکھتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کے ثبوت کا وہم وگمان ہوتا ہے۔ اور جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ عزوجل کے لیے مکان ہے تو گویا اُس نے اللہ کے لیے مخلوق سے مشابہت کا قول کیا، لہٰذا وہ کافر ہے۔ اور ملا علی قاری نے ابن عبدالسلام کے مذکورہ کلام کی تائید اس قول سے کی کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عزبن عبدالسلام شافعی معظم ترین اور معتبر علما میں سے ہیں، لہٰذا ان کے قول پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔

## ۲- امام مالک بن انس (م: ۱۷۹ھ) کا موقف:

امام مالک کے اس قول سے ثابت ہے جس کو امام بیہقی نے عبد اللہ بن وہب کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

كنا عند مالك فدخل رجل فقال: يا أبا عبد الله! الرحمن على العرش استوى، كيف استوى؟ فأطرق مالك فأخذته الرحضاء (أي كثرة العرق) ثم رفع رأسه فقال: الرحمن على العرش استوى كما وصف نفسه ولا يقال كيف وكيف عنه مرفوع وما أراك إلا صاحب بدعة، أخرجوه. فقول مالك: وكيف عنه مرفوع أي ليس استواؤه على عرشه كيفاً أي هيئة كاستواء المخلوقين من جلوس ونحوه.

"ہم لوگ امام مالک کی بارگاہ میں حاضر تھے، جبھی ایک شخص داخل ہوا اور کہا: اے ابو عبد اللہ! "الرحمن على العرش استوىٰ" کا کیا مطلب ہے؟ اور اللہ کیسے مستوی ہے؟ حضرت امام مالک نے سر نیچے کر لیا اور آپ پسینے سے شرابور ہو گئے، پھر سر اٹھا کر فرمایا: رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اور جیسا کہ اللہ نے اپنی صفت بیان کی ہے، لہٰذا اللہ کے بارے میں کیف کا سوال نہ کیا جائے گا؛ کیوں کہ اللہ کے لیے کیفیت محال ہے، اور اسے سائل! میرے لحاظ سے تم بدعتی ہو، اے لوگو! اسے یہاں سے نکال دو، تو امام مالک کے قول "كيف عنه مرفوع" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا عرش پر استواء باعتبار جہت نہیں ہے، دیگر مخلوقات کے استوا یعنی جلوس وغیرہ کی طرح۔"

امام بیہقی نے امام مالک کے ایک شاگرد یحییٰ بن یحییٰ کے طریق سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے، جو یہ ہے:

”الاستواء غير مجهول (أى معلوم وروده فى القرآن)، والكيف غير معقول (أى الكيف مرفوع يعني مستحيل عليه. أى أن الاستواء بمعنىٰ الكيف أى الهيئة كالجلوس لا يعقل أى لا يقبله العقل لكونه من صفات الخلق؛ لأن الجلوس لا يصح إلا من ذى أعضاء أى ألية وركبة وتعالى الله عن ذٰلك.) والسؤال عنه بدعة. وما أراك إلا مبتدعا، وأمر به أن يخرج. وأما رواية «والكيف مجهول» فهى غير صحيحة. لم تصح عن أحد من السلف ولم تثبت عن مالك ولا غيره من الأئمة. فالإمام مالك لم يقل: «والكيف مجهول.“

”استواء مجہول نہیں ہے، یعنی قرآن کریم میں اس کا ورود معروف ہے اور کیف غیر معقول ہے، یعنی کیف اللہ کے لیے محال ہے، مطلب یہ ہوا کہ استوا بمعنی ہیئت معقول نہیں ہے؛ یعنی عقل اسے قبول نہیں کرتی کیوں کہ یہ مخلوق کی صفت ہے؛ اس لیے کہ جلوس کا تحقق اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ صاحب اعضا کی طرف سے ہو، یعنی جس کے پاس پنڈلی اور گھٹنے ہوں، اور اللہ اس سے بری ہے۔ اس سلسلے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تمھیں فقط بدعتی سمجھتا ہوں، پھر امام مالک نے اپنی بارگاہ سے اس آدمی کو نکال دینے کا حکم دیا۔ اور ”والکیف مجهول“ کی روایت درست نہیں، اسلاف میں سے کسی نے اسے صحیح نہیں قرار دیا، اور نہ اس کا ثبوت امام مالک اور دیگر ائمہ سے ملتا ہے، چناں چہ امام مالک نے ”والکیف مجهول“ نہیں کہا ہے۔“

امام مالک سے حدیث نزول کے سلسلے میں تاویل ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ حدیث نزول میں رب تعالیٰ کے نزول سے مراد ”نزول رحمة لا نزول نقلة۔“ یعنی نزولِ رحمت باری ہے، نزولِ انتقال مراد نہیں۔

نیز درج ذیل حدیث ”ینزل ربنا کل لیلة الی السماء فیقول: هل من داع فاستجیب له“ کی تاویل بھی اُن سے مروی ہے اور وہ یہ کہ یہاں نزول بطور استعارہ ہے، اور معنی دعا کرنے والے کی طرف اجابت اور لطف و رحمت کے ذریعہ متوجہ ہونا ہے، نزول سے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال مراد نہیں ہے۔

گذشتہ روایات سے یہ ثابت ہوگیا کہ امام مالک نے احادیث متشابہ کی تاویل کی ہے، جن کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ کے لیے جسمیت، حرکت، انتقال اور سکون ثابت ہے۔ امام مالک کی طرف سے ان احادیث کی تاویل میں امام بیہقی نے امام اوزاعی، امام مالک، سفیان اور لیث بن سعد سے ایک روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان حضرات سے احادیث متشابہ کے تعلق سے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان احادیث کو جس طرح بلا کیفیت وارد ہوئی ہیں اسی طرح محمول کرو۔

یہ ساری روایات، امام بیہقی کی کتاب ”الاسماء والصفات“ میں مذکور ہیں۔[۱۴]

### ۳- امام محمد بن ادریس شافعی (م: ۲۰۴ھ) کا موقف:

”إنه تعالىٰ كان ولا مكان، فخلق المكان وهو علىٰ صفة الأزلية كما كان قبل خلقه المكان، لا يجوز عليه التغير فى ذاته ولا فى صفاته.“

”اللہ اُس وقت بھی موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا، بعد ازاں اللہ نے مکان کی تخلیق فرمائی، مگر ذات باری اپنی ازلی صفت پر اُسی طرح قائم رہی جس طرح وہ مکان کو پیدا کرنے سے پہلے موجود تھی، لہٰذا اُس کی ذات وصفات میں کسی بھی طرح کی کوئی تبدیلی روا نہیں ہے۔“[۱۵]

### ۴-امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ) کا موقف:

امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (م:۲۴۱ھ)، جو مذہب حنبلی کے امام اور ائمہ اربعہ میں سے ایک شمار ہوتے ہیں، کے تعلق سے امام ابن حجر ہیتمی شافعی نے ذکر کیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی شان میں "سمت اور جسم ہونے کے "منکرین اور منزہین میں سے تھے، پھر امام ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں یہ کہا:

"وما اشتهر بين جهلة المنسوبين إلىٰ هذا الإمام الأعظم المجتهد من أنه قال بشيء من الجهة أو نحوها فكذب وبهتان وافتراء عليه."

"یہ جو اس امام اعظم [امام احمد بن محمد بن حنبل] اور مجتہد کے تعلق سے جاہلوں کے درمیان مشہور اور آپ کی طرف منسوب ہے کہ آپ اللہ کی شان میں جہت وسمت یا اس کی مثل چیزوں کے قائل تھے، یہ سراسر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں جھوٹ اور بہتان ہے۔"[۱۶]

## ائمہ متکلمین کا عقیدہ

### اہلِ سنت کے امام حضور شیخ ابو الحسن اشعری (م:۳۲۴ھ) کا موقف:

اہلِ سنت کے امام ابو الحسن اشعری (م:۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

"كان الله ولا مكان، فخلق العرش والكرسي ولم يحتج إلىٰ مكان، وهو بعد خلق المكان كما كان قبل خلقه" أي بلا مكان ومن غير احتياج إلىٰ العرش والكرسي. نقل ذٰلك عنه الحافظ ابن عساكر نقلا عن القاضي أبي المعالي الجويني."

"اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا؛ پھر اللہ نے عرش وکرسی کی تخلیق فرمائی، اور وہ کسی مکان کا محتاج نہ بنا؛ یعنی مکان کی تخلیق کے بعد بھی وہ اپنی اُسی شان کے ساتھ موجود رہا جس شان کے ساتھ وہ تخلیق مکان سے پہلے موجود تھا، یعنی مکان اور عرش و کرسی کی ضرورت کے بغیر۔ امام اہلِ سنت کے اس قول کو حافظ ابن عساکر نے قاضی ابو المعالی جوینی سے نقل کیا ہے۔"[۱۷]

### اہلِ سنت کے امام ابو منصور ماتریدی (م:۳۳۳ھ) کا موقف:

امام محمد بن محمد، ابو منصور ماتریدی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ ایک عظیم امام، دین کا دفاع کرنے والے اور اہل سنت کے اُن عقائد کو قرآن و حدیث کے نقلی دلائل سے واضح کرنے والے ہیں جن عقائد پر صحابہ کرام اور اُن کے متبعین عمل پیرا تھے، نیز آپ عقلی دلائل کے ذریعے مناظرات میں معتزلہ اور اہلِ بدعات کے شبہات کارد کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے عقائد کے سلسلے میں ان سے مقابلہ کیا تو انھیں خاموش کر دیا۔ آپ سنت کی تائید اور شریعت کو تازگی بخشنے میں کوشاں رہتے تھے، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی اہلِ سنت کا امام ہوگیا۔ اکثر ائمہ حنفیہ مذہب ماتریدیہ سے ہوئے ہیں۔
امام ابو منصور ماتریدی (م:۳۳۳ھ) نے "كتاب التوحيد" میں فرمایا ہے:

"إن الله سبحانه كان ولا مكان، وجائز ارتفاع الأمكنة وبقاؤه على ما كان، فهو علىٰ ما كان، وكان على ما عليه الآن، جل عن التغير والزوال والاستحالة. يعني بالاستحالة التحول والتطور والتغير من حال إلىٰ حال وهذا منفي عن الله ومستحيل عليه سبحانه وتعالىٰ."

"بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا؛ اور یہ ممکن ہے کہ ابھی مکانات معدوم ہو جائیں اور وہ اسی طرح قائم رہے جس طرح پہلے موجود تھا، تو وہ ٹھیک اسی طرح موجود ہے جس طرح پہلے موجود تھا؛ اور اسی طرح ابد تک بغیر مکان کے رہے گا۔ اللہ عز و جل تبدیلی، ختم ہونے اور استحالہ سے پاک ہے؛ استحالہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تبدیلی، ترقی اور ایک حال سے دوسرے حال کی جانب تغیر سے پاک ہے۔ یہ باتیں اللہ

سبحانہ و تعالیٰ کی شان کے منافی اور اُس کے لیے محال ہیں۔“[۱۸]

امام ابو منصور ماتریدی، آخرت میں مؤمنین کے لیے رویت باری کے اثبات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”فإن قيل كيف يرىٰ؟ قيل: بلا كيف، إذ الكيفية تكون لذي صورة. بل يرىٰ بلا وصف قيام و قعود و اتكاء و تعلق و اتصال و انفصال و مقابلة و مدابرة و قصير و طويل و نور و ظلمة و ساكن و متحرك و مماس و مباين و خارج و داخل ولا معنىٰ يأخذه الوهم أو يقدره العقل لتعاليه عن ذٰلك.“

”اگر کہا جائے کہ اللہ کو کیسے دیکھا جائے گا؟ تو اس قائل کو جواب دیا جائے گا: بغیر کسی کیفیت کے؛ کیوں کہ کیفیت صورت و جسم والی شے کے لیے ہوا کرتی ہے اور اللہ اس سے پاک ہے، بلکہ اللہ کا دیدار آخرت میں کھڑے، بیٹھے، ٹیک لگائے، کسی چیز سے جڑے ہوئے، جدا ہوئے، کسی چیز کے آگے پیچھے ہوئے بغیر نصیب ہوگا، یوں ہی قلیل مدت، طویل مدت، روشنی، تاریکی، سکون، حرکت، چھوئے، علاحدہ، نکلے، داخل ہوئے جیسی صفات کے بغیر اللہ کا دیدار ہوگا، نیز اس کا دیدار بغیر کسی ایسی صفت کے ہوگا جو ذہن میں وہم و گمان کا خلجان پیدا کرے یا جس کے بارے میں عقل یہ خیال کرے کہ باری تعالیٰ کے تعلق سے ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔“[۱۹]

تو ماتریدی حضرات اللہ تعالیٰ سے جہت و سمت کی نفی ہی کا قول کرتے ہیں اور اس قول میں ان فرقۂ مشبہ اور مجسمہ کا رد بھی ہے جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف اللہ تعالیٰ کے لیے جہت و سمت کے اثبات کا قول کیا کرتے تھے، تو اے طالب حق! ماتریدی کے قول کو مضبوطی سے پکڑ اور راہ یاب ہو جا۔

## ائمہ حنفیہ کا موقف

### ۱-امام، حافظ، فقیہ ابو جعفر احمد بن سلامہ طحاوی حنفی (م:۳۲۱ھ) کا موقف:

امام طحاوی ہمارے سلف صالحین علما میں سے ہیں، انھوں نے اپنے رسالہ ”العقيدة الطحاوية“ کے آغاز ہی میں فرمایا:

”یہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے بیان میں ہے۔“

یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل مکان، جہت و سمت اور کسی جسم میں ہونے سے پاک ہے۔ اور امام طحاوی کا کلام علماے حدیث و فقہ کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے، مزید یہ کہ آپ حنفی المسلک ہیں اور آپ کا یہی عقیدہ تمام روے زمین، انسٹی ٹیوٹ اور اسلامی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جا رہا ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی حنفی (م:۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

”وتعالىٰ -أي الله- عن الحدود والغايات والأركان والأعضاء والأدوات، لا تحويه الجهات الست كسائر المبتدعات“

”اللہ تعالیٰ حدود، سرحد، منازل، ارکان، اعضا اور اشیا وغیرہ سے پاک و منزہ ہے۔ اُسے چھ مشہور سمتیں بھی دوسرے موجودات کی طرح گھیر نہیں سکتیں۔“[۲۰]

### ۲-امام المتکلمین، شیخ ابو المعین میمون بن محمد نسفی (م:۵۰۸ھ) نے اپنی کتاب ”تبصرة الادلة“ میں یوں فرمایا:

”القول بالمكان -أي في حق الله- منافي للتوحيد.“

”اللہ تعالیٰ کے حق میں مکان کا قول کرنا توحید کے منافی ہے۔“[۲۱]

۳-محدث ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی حنفی (م:۵۳۷ھ) نے "العقیدۃ النسفیۃ" میں یوں تحریر کیا:

"والمحدث للعالم هو الله تعالیٰ، لا یوصف بالماهیة ولا بالکیفیة ولا یتمکن فی مکان."

"اللہ تعالیٰ ہی عالم کا پیدا فرمانے والا ہے۔ وہ ماہیت و کیفیت سے موصوف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی مکان میں ٹھہرتا ہے۔"[۲۲]

علامہ نسفی نے یہ بھی لکھا ہے:

"وقد ورد الدلیل السمعی بإیجاب رؤیة المؤمنین الله تعالیٰ فی دار الآخرة، فیری لا فی مکان، ولا علیٰ جهة من مقابلة أو اتصال شعاع أو ثبوت مسافة بین الرائی وبین الله تعالیٰ."

"اور اس پر دلیل سمعی وارد ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہوں گے، مگر اس کی زیارت نہ تو مکان میں ہوگی اور نہ ہی جہت میں، نہ سامنے سے اور نہ کسی شعاع سے متصف ہو کر، اور نہ ہی زیارت کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی مسافت ہوگی۔"[۲۳]

۴-مفسر قرآن عبد اللہ بن احمد نسفی (م:۷۰۱/ ۷۱۰ھ) تفسیر نسفی میں سورۂ طٰہٰ کی آیت "الرحمن علی العرش استویٰ" کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"إنه تعالیٰ کان ولا مکان فهو علیٰ ما کان قبل خلق المکان، لم یتغیر عما کان."

"اللہ تبارک و تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا؛ تو وہ اب بھی مکان کی تخلیق سے پہلے ہی کی طرح موجود ہے، ماکان یعنی جو کچھ واقع ہوا اُس کی وجہ سے وہ بالکل بھی متغیر نہیں ہوا ہے۔"[۲۴]

۵-امام ملا علی قاری حنفی (م:۱۰۱۴ھ) شرح فقہ اکبر میں اللہ عزوجل کے ارشاد "وهو القاهر فوق عباده [سورۃ الأنعام/۱۸]" کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"فعلو مکانة ومرتبة لا علو مکان، کما هو مقرر عند أهل السنة والجماعة."

"اس آیت سے مراد علو مرتبت و منزلت ہے، نہ کہ علو مکان، جیسا کہ یہ بات اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک ثابت اور مسلّم ہے۔"[۲۵]

۶-صوفی و زاہد، عارف باللہ شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی حنفی (م:۱۱۴۳ھ) فرماتے ہیں:

"فیتنزه سبحانه وتعالیٰ عن جمیع الأمکنة العلویة والسفلیة وما بینهما."

"اللہ تعالیٰ علوی، سفلی اور جو اُن کے مابین ہیں؛ تمام مکانات سے بری و منزہ ہے۔"[۲۶]

امام نابلسی کا ایک دوسرا قول اس طرح منقول ہے:

"من اعتقد أن الله ملأ السموات والأرض أو أنه جسم قاعد فوق العرش فهو کافر وإن زعم أنه مسلم."

"جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ زمین و آسمان میں بھرا ہوا ہے، یا یہ کہ وہ جسم والا ہے، عرش کے اوپر بیٹھا ہوا ہے تو وہ کافر ہے، اگرچہ اپنے متعلق وہ یہ گمان رکھے کہ وہ مسلمان ہے۔"[۲۷]

۷- حافظ، فقیہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی (م:۱۲۰۵ھ) "اتحاف السادة المتقین" میں رقم طراز ہیں:

"إنه سبحانه لا مكان له ولا جهة."

"بے شک اللہ سبحانہ کے لیے نہ تو مکان ہے اور نہ ہی جہت۔"[۲۸]

امام مرتضیٰ زبیدی اسی کتاب میں ایک صفحہ آگے فرماتے ہیں:

"إنه تعالىٰ مقدس منزه عن التغير من حال إلى حال والانتقال من مكان إلى مكان، وكذا الاتصال والانفصال؛ فإن كلاًّ من ذلك من صفات المخلوقين."

"بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے منزہ ہے، اسی طرح وہ اتصال وانفصال سے بھی بری ہے؛ کیوں کہ یہ سب مخلوق کی صفات ہیں۔"[۲۹]

نیز آپ اسی صفحہ پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تقدس -أي الله- عن أن يحويه مكان فيشار إليه أو تضمه جهة."

"اللہ عزوجل اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی مکان اس کو احاطے میں لیا ہوا ہو، کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے؛ یا کوئی جہت اس کو شامل ہو۔"[۳۰]

نیز آپ تحریر فرماتے ہیں:

"ذات الله ليس في جهة من الجهات الست ولا في مكان من الأمكنة."

"اللہ کی ذات چھ سمتوں میں سے کسی سمت میں نہیں ہے، یوں ہی وہ جگہوں میں سے کسی جگہ میں بھی نہیں ہے۔"[۳۱]

۸- شیخ، علامہ، محدث وفقیہ ابو المحاسن محمد قاوقجی طرابلسی حنفی (م:۱۳۰۵ھ) اپنی "كتاب الاعتماد في الاعتقاد" میں لکھتے ہیں:

"فهذه عقيدة في التوحيد خالصة من الحشو والتعقيد، يحتاج إليها كل مريد، نفع الله بها جميع العباد، آمين."

"یہ عقیدہ توحید ہے جو زیادتی ونقصان سے خالی ہے، ہر پیروکار کو اس کی ضرورت ہے، اللہ اپنے تمام بندوں کو اس سے نفع بخشے۔"[۳۲]

پھر آپ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"فإذا قال لك: أين الله؟ فقل: مع كل أحد بعلمه -لا بذاته- وفوق كل أحد بقدرته، وظاهر بكل شيء بآثار صفاته، وباطن بحقيقة ذاته -أي لا يمكن تصويره في النفس- منزه عن الجهة والجسمية. فلا يقال: له يمين ولا شمال ولا خلف ولا أمام، ولا فوق العرش ولا تحته، ولا عن يمينه ولا عن شماله، ولا داخل في العالم ولا خارج عنه، ولا يقال: لا يعلم مكانه إلا هو. ومن قال: لا أعرف الله في السماء هو أم في الأرض كفر؛ لأنه جعل أحدهما له مكاناً. فإذا قال لك: ما دليلك على ذلك؟ فقل: لأنه لو كان له جهة أو هو في جهة لكان متحيزا، وكل متحيز حادث، والحدوث عليه محال."

"تو اگر کوئی تم سے کہے: اللہ کہاں ہے؟ تو کہنا: اللہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر ایک کے ساتھ ہے، ذات کے اعتبار سے کسی کے ساتھ نہیں۔ اور اپنی قدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے اوپر ہے اور ہر ایک سے بڑھ کر ہے، اپنی نشانِ صفات کے ذریعے ہر چیز سے ظاہر ہے اور اپنی حقیقت ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے۔ یعنی دل ودماغ میں اس کی تصویر ممکن نہیں، وہ جہت وجسمیت سے منزہ ہے؛ لہٰذا یہ نہ کہا جائے گا کہ اس کے لیے یمین، شمال، خلف، اور امام ہے، اور نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ عرش کے اوپر یا نیچے یا اس کے دائیں بائیں ہے، یا عالم میں داخل یا اس سے خارج ہے، نیز یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے، اور جو یہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ آسمان میں ہے یا زمین میں، تو وہ کافر ہے؛ کیوں کہ اس نے اپنے اس قول میں زمین وآسمان میں سے ایک کو اللہ کا مکان بنا دیا۔ پھر اگر مد مقابل پوچھے کہ ان باتوں پر تمہاری دلیل کیا ہے؟ تو جواب دینا: دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے لیے جہت ہو یا وہ کسی سمت میں ہو تو وہ لامحالہ متحیز ہوگا اور ہر متحیز حادث ہوتا ہے، تو اللہ کا حادث ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ اللہ کا حادث ہونا محال ہے۔"[۳۳]

نیز آپ اپنی کتاب "سفينة النجاة في معرفة الله وأحكام الصلاة" میں فرماتے ہیں:

"ويستحيل عليه المماثلة للحوادث بأن يكون ذاته كالذوات يأخذ مقدارا من الفراغ، أو يتصف بالأعراض

كالبياض، أو يكون في جهة كالفوق والتحت واليمين والشمال والخلف والأمام، أو يكون جهة كالأعلىٰ والأسفل، أو يحل بمكان أو يقيد بزمان۔"

"اللہ کے لیے محال ہے کہ وہ حوادث سے مماثلت رکھے،بایں طور کہ اللہ کی ذات دیگر ذاتوں کے مشابہ ہو اور کشادگی کا کچھ حصہ اس میں پایا جائے ، یا اللہ تعالیٰ اعراض سے متصف ہو مثلاً بیاض سے، یا وہ کسی جہت میں ہو مثلاً وہ فوق میں ہو یا تحت میں، یمین میں ہو یا شمال میں، خلف میں ہو یا امام میں، یا وہ بذات خود جہت ہو، جیسے اعلیٰ و اسفل، یا وہ کسی جگہ میں حلول کیا ہوا ہو، یا کسی زمانہ کے ساتھ مقید ہو؛ یہ ساری چیزیں اس کی شان میں محال ہیں۔"[۳۴]

۹-المشيخة الإسلامية في دار الخلافة العثمانية کے وکیل امام جلیل شیخ محمد زاہد کوثری حنفی (م:۱۳۷۱ھ) مقالات الكوثري میں لکھتے ہیں:

"وتنزيه الله سبحانه عن المكان والمكانيات والزمان والزمانيات هو عقيدة أهل الحق رغم اغتياظ المجسمة الصرحاء۔"

"اللہ سبحانہ تعالیٰ کا مکان و مکانیات، زمان و زمانیات سے پاکی کا عقیدہ اہلِ حق کا عقیدہ ہے، اگر چہ فرقہ مجسمہ جل بھن کر مر جائے۔"[۳۵]

امام محمد زاہد کوثری حنفیؒ "تكملة الرد على نونية ابن القيم" میں رقم طراز ہیں:

"قوله سبحانه: "ليس كمثله شيء" [سورة الشورىٰ/۱۱] نص في نفي الجهة عنه تعالىٰ؛ إذ لو لم تنف عنه الجهة لكانت له أمثال لا تحصى، تعالى الله عن ذٰلك۔"

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قول: "ليس كمثله شئ" [سورۂ شوریٰ، آیت:۱۱] اللہ تعالیٰ کے حق میں نفی جہت پر نص صریح ہے؛ کیوں کہ اگر اللہ سے جہت کی نفی نہ ہو تو اللہ کے لیے بے شمار امثال لازم آئیں گے اور اللہ اس سے بلند و بالا ہے۔"[۳۶]

## ائمہ مالکیہ کا نظریہ

۱- قاضی ابوبکر محمد باقلانی مالکی اشعری (م:۴۰۳ھ) نے "الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به" نامی کتاب میں یہ فرمایا:

"ولا نقول إن العرش له-أي لله- قرار ولا مكان؛ لأن الله تعالىٰ كان ولا مكان، فلما خلق المكان لم يتغير عما كان۔"

"ہم یہ نہیں کہتے کہ عرش اللہ کے لیے قرار و ٹھہرنے کی جگہ ہے، کیوں کہ اللہ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا؛ پھر جب اُس نے مکان کو پیدا کیا تو ماکان یعنی جو کچھ واقع ہوا اُس کی وجہ سے وہ متغیر نہیں ہوا۔"[۳۷]

نیز آپ کا ایک قول کچھ اس طرح بھی مذکور ہے:

"ويجب أن يعلم أن كل ما يدل على الحدوث أو على سمة النقص، فالرب تعالىٰ يتقدس عنه، فمن ذٰلك: أنه تعالىٰ متقدس عن الاختصاص بالجهات، والاتصاف بصفات المحدثات، وكذٰلك لا يوصف بالتحول والانتقال ولا القيام والقعود لقوله تعالىٰ: ﴿ليس كمثله شيئ﴾ [سورة الشورىٰ:۱۱] وقوله: ﴿ولم يكن له كفوا أحد﴾ [سورة الإخلاص:۴] ولأن هٰذه الصفات تدل على الحدوث، والله تعالىٰ يتقدس عن ذلك۔"

"اور اس بات کا علم واجب ہے کہ ہر وہ چیز جو حدوث یا صفت نقص پر دلالت کرے، رب تعالیٰ ایسی چیزوں سے پاک ہے۔ اور اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ جہتوں کے ساتھ خاص ہونے اور فنا ہونے والی چیزوں کی صفات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک و منزہ ہے۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ تبدیلی، انتقال، قیام اور بیٹھنے جیسی صفتوں کے ساتھ متصف نہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی شان ہے: ﴿ليس كمثله شيئ﴾ [سورۃ الشوریٰ:۱۱] یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی

چیز نہیں ہے۔ اور باری تعالیٰ کے قول:﴿ولم يكن له كفوا أحد﴾[سورۃ الإخلاص:۴]یعنی اس کا کوئی ہمسر وہم پلہ نہیں۔ ان صفتوں سے اللہ تعالیٰ کے پاک ومنزہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفتیں اپنے موصوف کے حدوث وفنا اور ختم ہونے کو چاہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی صفتوں سے بے نیاز ہے؛ کیوں کہ وہ خود قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔"[۳۸]

۲- قاضی قرطبہ شیخ ابو الولید محمد بن احمد معروف بہ ابن رشد الجد المالکی (م:۵۲۰ھ) نے کہا:

"ليس -الله- في مكان، فقد كان قبل أن يخلق المكان".

"خدا کسی مکان میں نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ مکان کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا۔"

اسے ابن الحاج مالکی نے بھی اپنی کتاب "المدخل" میں نقل کیا ہے۔[۳۹]

ابن رشد نے "المدخل" میں کہا:

"فلا يقال: أين ولا كيف ولا متى، لأنه خالق الزمان والمكان".

"لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ خدا کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ کب معرض وجود میں آیا؟ کیوں کہ وہ زمان ومکان کا خالق ہے۔"[۴۰]

ابن رشد نے اسی کتاب میں تحریر فرمایا:

"وإضافته - أي العرش- إلى الله تعالىٰ إنما هو بمعنى التشريف له، كما يقال: بيت الله وحرمه، لا أنه محل له وموضع لاستقراره".

"اور عرش کی اضافت خدا کی طرف اُس کی عظمت وبرتری کے معنی میں ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: بیت اللہ اور حرم اللہ، یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش اللہ کا محل اور مستقر ہے۔"[۴۱]

اسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب فتح الباری میں بھی نقل کیا ہے۔[۴۲]

۳- مفسر قرآن محمد بن احمد انصاری قرطبی مالکی (م:۶۷۱ھ) "الجامع لاحکام القرآن" میں "العلی" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"و(العلي) يراد به علو القدر والمنزلة، لا علو المكان؛ لأن الله منزه عن التحيز".

"العلي" سے مراد قدر ومنزلت کی بلندی ہے، نہ کہ مکان کی بلندی واونچائی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تحیز (وہ مکان جسے کوئی جسم گھیرا ہوا ہو) سے پاک ہے۔"[۴۳]

امام قرطبی یہ بھی فرماتے ہیں:

"ومعنى "فوق عباده" [سورة الأنعام/۱۸] فوقية الاستعلاء بالقهر والغلبة عليهم، أي هم تحت تسخيره لا فوقية مكان".

"اور "فوق عباده" کا مطلب بندوں پر قہر وجبر اور غلبہ کے ذریعے بلندی حاصل کرنا ہے، یعنی تمام بندے اللہ تعالیٰ کے زیر تسلط ہیں، فوقیت مکان مراد نہیں ہے۔"[۴۴]

اسی میں مزید فرماتے ہیں:

"والقاعدة تنزيهه -سبحانه وتعالى- عن الحركة والانتقال وشغل الأمكنة".

"اصل قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حرکت، انتقال اور مکانات کے گھراؤ سے پاک ہے۔"[۴۵]

امام قرطبی "وجاء ربك والملك صفا صفا [سورة الأنعام/۲۲]" کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"والله جل ثناؤه لا يوصف بالتحول من مكان إلى مكان، وأنى له التحول والانتقال ولا مكان له ولا أوان، ولا يجري عليه وقت ولا زمان؛ لأن في جريان الوقت على الشيء فوت الأوقات، ومن فاته شيء فهو عاجز".

"اللہ جل ثناؤہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کرنے سے موصوف نہیں اور اس کے لیے تحول وانتقال کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے

لیے نہ تو مکان ہے اور نہ ہی زمان، نہ اس پر وقت کا گذر ہوتا ہے، نہ زمانے کا۔ یہ اس لیے کہ شے پر وقت کے گذرنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ کچھ اوقات اس شے سے فوت ہوئے ہوں اور جس سے کوئی چیز فوت ہو؛ وہ عاجز ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ عاجز نہیں، لہٰذا اس پر وقت کا بھی گذر نہیں)۔"[۴۶]

امام قرطبی آگے اللہ تعالیٰ کے قول: "ءامنتم من فی السماء أن یخسف بکم الارض[سورۃ الملك/۱۶]" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"والمراد بها توقيره وتنزيهه عن السفل والتحت، ووصفه بالعلو والعظمة لا بالأماكن والجهات والحدود؛ لأنها صفات الأجسام وإنما ترفع الأيدي بالدعاء إلى السماء؛ لأن السّماء مهبط الوحي ومنزل القطر ومحل القدس (أي الطهر) ومعدن المطهرين من الملائكة. وإليها ترفع أعمال العباد. وفوقها عرشه وجنته. كما جعل الله الكعبة قبلة للدعاء والصلاة. ولأنه خلق الأمكنة وهو غير محتاج إليها. وكان في أزله قبل خلق المكان والزمان ولا مكان له ولا زمان، وهو الآن على ما عليه كان."

"اس سے مراد اللہ عزوجل کی تعظیم ہے، نیز اس کو سفل و تحت یعنی اوپر و نیچے سے منزہ ومبرا سمجھنا ہے۔ مکانات، جہات اور حدود کی بجائے اسے عظمت وبلندی سے موصوف کرنا ہے؛ کیوں کہ یہ ساری چیزیں اجسام کی صفت ہیں (اور اللہ بے جسم ہے)۔ اور دعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف اس لیے اٹھایا جاتا ہے کہ آسمان نزولِ وحی کا مصدر، نزولِ بارش کی جگہ، محلِ قدس اور سرچشمہ ٔ ملائکہ مقربین ہے، اور آسمان ہی کی طرف بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اسی کے اوپر عرش وجنت ہے، چناں چہ آسمان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کعبہ کا اس روے زمین میں، کہ اللہ نے نماز ودعا کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا ہے، اور اللہ مکانات سے اس لئے بھی پاک ہے کہ اُس نے مکانات کی تخلیق تو فرمائی مگر اسے ان کی ضرورت نہیں، وہ تو ازل میں مکان وزمان کی تخلیق سے پہلے بھی بے مکان وبے زمان موجود تھا، اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔"[۴۷]

۴- علامہ اصولی شیخ احمد بن ادریس القرافی مالکی مصری (م:۶۷۱ھ) جو فقہاے مالکیہ میں سے ایک زبردست فقیہ ہیں، فرماتے ہیں:

"وهو -أي الله- ليس في جهة. ونراه نحن وهو ليس في جهة."

"اللہ عزوجل کسی خاص ومتعین سمت میں نہیں ہے اور روز قیامت ہم اس کا یوں دیدار کریں گے کہ وہ کسی جہت میں موجود نہیں ہوگا۔"[۴۸]

۵- شیخ ابوعبد اللہ محمد بن یوسف سنوسی (م:۸۸۵ھ) "ام البراهين في العقائد" نامی کتاب میں شان الوہیت میں جو چیزیں محال ہیں اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والمماثلة للحوادث بأن يكون جرما أي يأخذ ذاته العلي قدرا من الفراغ. أو أن يكون عرضا يقوم بالجرم. أو يكون في جهة للجرم. أو له هو جهة. أو يتقيد بمكان أو زمان."

"حوادث کے مماثل ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ جسم ہو، یعنی اللہ کی ذات عظیم میں چندے کشادگی ہو، یا وہ عرض ہو اور کسی جسم کے ساتھ قائم ہو یا کسی جسم کی جہت میں ہو، یا اس کے لیے جہت ہو، یا وہ مکان وزمان سے مقید ہو۔" (جب کہ یہ ساری چیزیں اللہ سبحانہ کے حق میں محال ہیں۔)[۴۹]

۶- شیخ محمد بن منصور ہدہدی مصری "ام البراھین" کے شارح اپنی شرح ھدھدی میں رقم طراز ہیں:

"وكذا يستحيل عليه ما يستلزم مماثلته للحوادث بأن يكون في جهة للجرم بأن يكون فوق الجرم أو تحت الجرم أو يمين الجرم أو شمال الجرم أو أمامه أو خلفه؛ لأنه لو كان في جهات الجرم لزم أن يكون متحيزا، وكذا يستحيل عليه أن يكون له جهة؛ لأن الجهة من لوازم الجرم."

"اسی طرح وہ چیزیں جو حوادث کے ساتھ اللہ کی مماثلت کو لازم ہوں، وہ سب اللہ کے لیے محال ہیں؛ مثلاً اللہ کسی جسم کی جہت میں ہو یا ایں طور کہ وہ فوق الجسم یا تحت الجسم یا یمین الجسم یا شمال الجسم یا جسم کے آگے یا پیچھے ہو، یہ سب اس کی شان میں محال ہیں؛ کیوں کہ اللہ جسم کے جہات میں ہو تو یہ لازم آئے گا کہ وہ متحیز ہے (حالاں کہ اللہ تعالیٰ تحیز سے پاک ہے)، اسی طرح اس کے لیے جہت کا ہونا بھی محال ہے؛ کیوں کہ جہت جسم کے لوازم میں سے ہے۔" [۵۰]

۷- علامہ محمد میارہ مالکی (م:۱۰۷۲ھ) نے اپنی کتاب "الدر الثمين والمورد المعين" جو شیخ عبد الواحد بن عاشر انصاری اشعری مالکی کی کتاب "المرشد المعين على الضروري من علوم الدين" کی شرح ہے، میں فرماتے ہیں:

"أجمع أهل الحق قاطبة على أن الله تعالىٰ لا جهة له، فلا فوق له ولا تحت ولا يمين ولا شمال ولا أمام ولا خلف."

"تمام اہلِ حق (حق پرست) کا اِس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جہت متعین نہیں ہے، لہٰذا اُس کی شان میں نہ اوپر کا تصور ہے اور نہ نیچے کا، نہ دائیں کا، نہ بائیں کا، اور یوں ہی اُس کی شان کے تعلق سے آگے اور پیچھے کا بھی گمان و خیال ممکن نہیں ہے۔" [۵۱]

۸- شیخ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی (م:۱۱۲۲ھ) اپنی کتاب شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک میں لکھتے ہیں کہ امام بیضاوی نے فرمایا:

"وقال البيضاوي: لما ثبت بالقواطع أنه سبحانه منزه عن الجسمية والتحيز امتنع عليه النزول على معنى الانتقال من موضع إلى موضع أخفض منه."

"جب دلائل سے یہ ثابت ہوگئی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جسمیت و تحیز سے پاک ہے تو معنیٰ انتقال کا اعتبار کر کے اللہ کا کسی بلند جگہ سے نیچے کی طرف نزول بھی محال ہے۔" [۵۲]

۹- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد دردیر مالکی مصری (م:۱۲۰۱ھ) "الخريدة البهية" میں لکھتے ہیں:

"منزه عن الحلول والجهة والاتصال والانفصال والسفه."

"اللہ عزوجل حلول و جہت، اتصال و انفصال اور سفاہت سے پاک ہے۔" [۵۳]

۱۰- محدث، شیخ محمد عربی تبان مالکی (م:۱۳۹۰ھ)- آپ مدرسۃ الفلاح کے ایک فائق مدرس بھی رہ چکے ہیں- نے کتاب "براءة الاشعريين" میں فرمایا:

"إتفق العقلاء من أهل السنة الشافعية والحنفية والمالكية و فضلاء الحنابلة وغيرهم على أن الله تبارك وتعالىٰ منزه عن الجهة والجسمية والحد والمكان ومشابهة مخلوقاته."

"اہلِ سنت کے تمام عقلا یعنی شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی فضلا وغیرہ کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ -عزوجل- جہت سے، جسم ہونے سے، حد سے، مکان سے اور یوں ہی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت و مماثلت رکھنے سے بالکل پاک وصاف ہے۔" [۵۴]

۱۱- شیخ محمد طاہر بن عاشور مالکی (م:۱۳۹۳ھ)، جو بلاد تونس میں مالکی مفتیوں کے سردار تصور کیے جاتے ہیں اور وہ "جامع الزيتونه" کے شیخ بھی رہ چکے ہیں، سورۂ ملک، آیت نمبر ۱۷ ﴿من في السماء﴾ [سورة الملك،۱۷] کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

"من قبيل المتشابه الذي يعطي ظاهره معنىٰ الحلول في مكان، وذٰلك لا يليق بالله."

"یہ آیت اس متشابہ کے قبیل سے ہے جس کا ظاہری معنی کسی جگہ میں حلول اور دخول کے ہے۔ اور یقیناً یہ معنی باری تعالیٰ کی ذات کے شایانِ شان نہیں۔" [۵۵]

## ائمہ حنبلیہ کا نظریہ

۱-شیخ الحنابلہ حضرت ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی (م:۵۱۳ھ) ”الباز الاشهب“ میں فرماتے ہیں:

”كل من هو في جهة يكون مقدراً محدوداً وهو يتعالىٰ عن ذٰلك، وإنما الجهات للجواهر والأجسام؛ لأنها أجرام تحتاج إلى جهة، وإذا ثبت بطلان الجهة ثبت بطلان المكان.“

”جو شے کسی جہت میں ہو وہ ایک اندازہ کے مطابق اور محدود ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بلند تر ہے؛ اور رہی جہات بات کی، تو یہ صرف جواہر اور اجسام ہی کے لیے ہی ہوتی ہیں؛ کیوں کہ یہ اجسام ہی ہیں جو جہت و سمت کے محتاج ہوتے ہیں، تو جب (اللہ تعالیٰ کے لئے) جہت کا باطل ہونا ثابت ہوا تو ساتھ ہی مکان کا باطل ہونا بھی ثابت ہوگیا۔“[۵۶]

انھوں نے اسی کتاب میں یہ بھی ذکر کیا ہے:

”فإن قيل: نفي الجهات يحيل وجوده، قلنا: إن كان الموجود يقبل الاتصال والانفصال فقد صدقت، فأما إذا لم يقبلهما فليس خلوه من طرق النقيض محال.“

”اگر یہ کہا جائے کہ جہات کی نفی سے وجود باری تعالیٰ کا محال ہونا لازم آتا ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ اگر شے موجود کو قابلِ اتصال وانفصال ہو تو آپ کی بات صحیح ہے، لیکن اگر قابل اتصال وانفصال نہ ہو تو باری تعالیٰ کا ان دونوں صفتوں سے خالی ہو کر موجود ہونا محال نہیں ہے؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کا وجود ان دونوں صفتوں (اتصال وانفصال) سے بر طرف ہو کر خارج میں الگ شان کے ساتھ ہو، جہاں تک ہماری رسائی نہیں۔“[۵۷]

نیز امام ابن عقیل حنبلی یہ بھی لکھتے ہیں:

”تعالى الله أن يكون له صفة تشغل الأمكنة؛ لأن هٰذا عين التجسيم، وليس الحق بذي أجزاء وأبعاض يعالج بها.“

”اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفت ممکن نہیں جو مکان سے متصف ہو؛ کیوں کہ یہ بعینہ تجسیم ہے اور حق تعالیٰ اجزا وابعاض والا نہیں ہے جو مکانات سے متصف ہو جائے۔“[۵۸]

۲-امام عبد الرحمن بن علی حنبلی بغدادی، جو ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں، انھوں نے اپنی کتاب ”دفع شبه التشبيه“ میں اس بات کی صراحت کی ہے:

”الواجب علينا أن نعتقد أن ذات الله تعالى لا يحويه مكان ولا يوصف بالتغير والانتقال.“

”ہم پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ نہ تو مکان ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی ذات تغیر وانتقال سے متصف ہو سکتی ہے۔“[۵۹]

امام ابن جوزی نے ”صيد الخاطر“ میں بھی لکھا ہے:

”فترى أقواماً يسمعون أخبار الصفات فيحملونها على ما يقتضيه الحس كقول قائلهم: ينزل بذاته إلى السماء ويتنقل، وهذا فهم ردىء، لأن المنتقل يكون من مكان إلىٰ مكان، ويوجب ذٰلك كون المكان أكبر منه ويلزم منه الحركة وكل ذٰلك محال على الحق عزوجل.“

”تم دیکھتے ہو کہ کچھ لوگ صفات باری تعالیٰ کی باتیں سن کر انھیں محسوسات کے تقاضے کے مطابق منطبق کرتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ بنفس نفیس آسمان اول کی جانب نزول فرماتا ہے اور عرش سے آسمان اول کی جانب منتقل ہوتا ہے، یہ نہایت ہی گھٹیا سمجھ ہے؛ کیوں کہ جو چیز منتقل ہوتی ہے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ شے منتقل سے بڑی ہو، نیز اس سے حرکت بھی لازم آتی ہے اور یہ سب باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔“[۶۰]

مذہب حنبلی کے شیخ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "دفع شبه التشبيه" میں تجسیم باری تعالیٰ کے ان قائلین کا رد کیا ہے جو خود کو حنبلی ظاہر کرتے ہیں، حالاں کہ ان کے عقائد امام احمد کے عقائد سے مختلف ہیں۔ اور علامہ ابن جوزی نے اس کتاب میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہمارے اسلاف اور امام احمد کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ جہت، حد، جسمانیت، قیام وجلوس اور استقرار وغیرہ جیسے حوادث اور صفات جسمانیہ سے منزہ ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جلوس باری تعالیٰ کا قول اہل سنت کے کسی عالم نے نہیں کیا، بلکہ فقیہ عصر امام ابو جعفر طحاوی (م:۳۲۱ھ) کے مطابق اسلاف کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ جس نے باری تعالیٰ کو بشری صفات سے متصف مانا؛ وہ کافر ہوگیا اور جس نے بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا؛ اسے عبرت حاصل ہوئی اور کافروں کے اقوال سے دور رہا اور اسے یہ معلوم ہوگیا کہ باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ مثل بشر نہیں۔لہٰذا اے میرے مسلم بھائی! اہلِ سنت کا عقیدہ اختیار کر اور بدعقیدوں کی باتوں کی جانب متوجہ مت ہو

## ائمہ شافعیہ کا نظریہ

۱-امام ابو بکر محمد بن حسن (م:۴۰۶ھ) جو ابن فورک اشعری کے نام سے مشہور ہیں، نے اپنی کتاب "مشكل الحديث" میں کہا:

"لا يجوز على الله تعالىٰ الحلول في الأماكن لاستحالة كونه محدودا و متناهيا وذٰلك لاستحالة كونه محدثا."

"ذات باری تعالیٰ کے لیے کسی جگہ میں حلول کرنا اور داخل ہونا ممکن نہیں ہے؛ اِس لیے کہ یہ اس کے محدود اور متناہی ہونے کو چاہتا ہے، یہ اس کی ذات سے محال ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں ذات باری کا مُحدث اور مخلوق ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ خالق اور قدیم ہے۔"[۶۱]

نیز امام ابن فورک کا ایک اور قول، مذکورہ کتاب میں یوں مرقوم ہے:

"واعلم أنا إذا قلنا إن الله عزوجل فوق ما خلق لم يرجع به إلىٰ فوقية المكان والارتفاع على الأمكنة بالمسافة والإشراف عليها بالمماسة لشيئ منها."

"جان لو کہ جب ہم کہیں کہ اللہ عزوجل اپنے مخلوق کے اوپر ہے، تو اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مکان کے اوپر ہے یا مسافت کے اعتبار سے وہ مکانوں پر بلند ہے یا ان جگہوں کو چھونے کے اعتبار سے وہ ان جگہوں کے اوپر ہے (بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات سے بلند وبرتر ہے اور وہ بغیر مکان کے جلوہ گر ہے)۔"[۶۲]

۲-امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی بغدادی اسفرائینی (م:۴۲۹ھ) کا قول "الفرق بين الفِرق" میں کچھ اس طرح مذکور ہے:

"وأجمعوا-أي أهل السنة-علىٰ أنه-أي الله-لا يحويه مكان ولا يجري عليه زمان."

"اور تمام اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کو نہ کوئی مکان گھیر سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی زمانہ جاری ہو سکتا ہے۔"[۶۳]

۳-حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م:۴۵۸ھ) کا قول "الاسماء والصفات" میں اِس طرح مذکور ہے:

"واستدل بعض أصحابنا في نفي المكان عنه بقول النبي ﷺ: "أنت الظاهر فليس فوق شيئ، وأنت الباطن فليس دونك شيئ" وإذا لم يكن فوقه شيئ ولا دونه شيئ لم يكن في مكان."

"اور ہمارے بعض اصحاب نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مکان کے نہ ہونے کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پاک: "أنت الظاهر

فليس فوقك شئ، وأنت الباطن فليس دونك شئ "۔ "یعنی اے اللہ! تو ظاہر ہے، لہٰذا تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو باطن ہے، لہٰذا تیرے نیچے کوئی چیز نہیں" سے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور کے فرمان کے مطابق جب نہ اللہ کے اوپر کوئی چیز ہے اور نہ ہی نیچے، تو اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کسی مکان میں ہے ہی نہیں، (وہ مکان سے پاک و بے نیاز ہے)۔"[٦٤]

۴-فقیہ و متکلم حضرت شیخ ابو المظفر اسفرائینی اشعری (م:۴۷۱ھ) نے اپنی کتاب "التبصیر فی الدین" میں تحریر کیا:

"الباب الخامس عشر في بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة: وأن تعلم أن كل ما دل على حدوث شيء من الحد، والنهاية، والمكان، والجهة، والسكون، والحركة، فهو مستحيل عليه سبحانه وتعالى؛ لأن ما لا يكون محدثًا لا يجوز عليه ما هو دليل على الحدوث"۔

"پندرہواں باب اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے بیان میں ہے: آپ یہ جان لیں کہ جو امور کسی شے کے حادث ہونے پر دال ہوں، مثال کے طور پر حد و نہایت، مکان و جہت اور سکون و حرکت، تو یہ چیزیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذات حادث نہیں ہوتی (بلکہ قدیم ہوتی ہے)، اُس کے لیے اُن امور کا اطلاق روا نہیں ہوتا جو حدوث و تجدد پر دلالت کرتے ہوں۔"[٦٥]

۵-فقیہ و امام حضرت شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی اشعری (م:۴۷۶ھ) اپنی کتاب "شرح اللمع" کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

"وإن استواءه ليس باستقرار ولا ملاصقة؛ لأن الاستقرار والملاصقة صفة الأجسام المخلوقة، والرب عزوجل قديم أزلي، فدل على أنه كان ولا مكان، ثم خلق المكان وهو على ما عليه كان"۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ کا استوا علی العرش ٹھہرنے اور ایک دوسرے سے ملنے جیسی صفتوں کا حامل نہیں ہے؛ وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں یعنی استقرار اور ملاصقہ اجسام مخلوقہ کے اوصاف ہیں، جب کہ اللہ عزوجل قدیم اور ازلی ہے، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ وہ بلا مکان موجود تھا، پھر اس نے مکان کی تخلیق کی اور وہ اب بھی اسی وصف (لامکانی) کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ پہلے تھا۔"[٦٦]

٦-امام الحرمین، ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی اشعری (م:۴۷۸ھ) "الارشاد الی قواطع الادلة" میں رقم طراز ہیں:

"الباري سبحانه وتعالى قائم بنفسه متعال عن الافتقار إلى محل يحله أو مكان يقله."

"باری سبحانہ تعالیٰ بذاتہ قائم ہے اور وہ اِس بات سے بالاتر ہے کہ کسی محل کا محتاج ہو کر اس میں حلول کر جائے یا اُس میں داخل ہو جائے۔"[٦٧]

امام الحرمین جوینی آگے لکھتے ہیں:

"مذهب أهل الحق قاطبة أن الله سبحانه وتعالى يتعالى عن التحيز والتخصص بالجهات."

"اہلِ حق کا قطعی مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حیز میں آنے یا کسی جہت میں مقید ہونے سے پاک ہے۔"[٦٨]

۷-امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی اشعری (م:۵۰۵ھ) اپنی شاہ کار تصنیف "احیاء علوم الدین" میں یوں رقم طراز ہیں:

"تعالی-أی اللہ-عن أن یحویه مکان، کما تقدس عن أن یحده زمان، بل کان قبل أن خلق الزمان والمکان، وهو الآن علی ما علیه کان۔"

"اللہ تعالیٰ اِس سے بلند ہے کہ کوئی مکان اُس کا احاطہ کرے، یوں ہی اِس سے منزہ ہے کہ کوئی زمانہ اُس کی تحدید کرے، بلکہ حق یہ ہے کہ وہ زمان ومکان کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا اور اب بھی اُسی شان کے ساتھ موجود ہے۔"[۶۹]

امام غزالی اپنی کتاب "احیاء علوم الدین: کتاب قواعد العقائد" میں مزید فرماتے ہیں:

"الأصل السابع: العلم بأن اللہ تعالیٰ منزہ الذات عن الاختصاص بالجهات، فإن الجهة إما فوق وإما أسفل وإما یمین وإما شمال أو قدام أو خلف، وهٰذه الجهات هو الذی خلقها۔"

"ساتواں قاعدہ: اِس بات کی معرفت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہتوں کی تقیید وتخصیص سے منزہ ہے؛ کیوں کہ "جہت" فوق واَسفل، یمین وشمال اور قدام وخلف سے عبارت ہے اور یہ جہات وہ ہیں جنھیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے (نہ کہ وہ خود ان میں گھرا ہوا ہے)۔"[۷۰]

۸-امام الصوفیاء، عارف باللہ، شیخ سید احمد رفاعی اشعری (م:۵۷۸ھ) نے "البرهان المؤید" میں تحریر فرمایا:

"وطهروا عقائدکم من تفسیر معنیٰ الاستواء فی حقه تعالیٰ بالاستقرار، کاستواء الاجسام علی الاجسام المستلزم للحلول، تعالیٰ اللہ عن ذٰلك، وایاکم والقول بالفوقیة والسلفیة والمکان والید والعین بالجارحة، والنزول بالاتیان والانتقال، فان کل ما جاء فی الکتاب والسنة مما یدل ظاهره علی ما ذکر فقد جاء فی الکتاب والسنة مثله مما یؤید المقصود۔"

"اپنے عقائد کو اِس بات سے پاک رکھو کہ اللہ کے حق میں معنیٰ استوا کی تفسیر استقرار سے کرو، جیسے ایک جسم دوسرے جسم پر مستوی ہو کر حلول کو مستلزم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اللہ اس سے برتر ہے، نیز اُس کے لیے فوق، تحت، مکان، ید، آنکھ اور آنے جانے کا قول کرنے سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ اگرچہ یہ ساری باتیں کتاب وسنت میں وارد ہو کر ظاہری معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں، مگر کتاب وسنت میں وہ بھی وارد ہیں جو ہمارے مقصود وعقیدہ کی تائید کرتے ہیں۔"[۷۱]

امام سید احمد رفاعی نے یہ بھی تحریر فرمایا:

"غایة المعرفة باللہ الایقان بوجوده تعالیٰ بلا کیف ولا مکان۔"

"اللہ کی غایت معرفت یہ ہے کہ بلا کیف ومکان اُس کے وجود کا یقین ہو۔"[۷۲]

نیز امام سید احمد رفاعی کا ایک قول کتاب "اجابة الداعی الیٰ بیان اعتقاد الامام الرفاعی" میں یوں منقول ہے:

"وانه-ای اللہ-لا یحل فی شیئ ولا یحل فیه شیئ، تعالیٰ عن ان یحویه مکان، کما تقدس عن ان یحده زمان، بل کان قبل خلق الزمان والمکان، وهو الآن علیٰ ما علیه کان۔"

"اللہ تعالیٰ کسی شے میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی شے اس میں حلول کرتی ہے، وہ اس سے برتر ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرے، یوں ہی وہ زمانے کی تحدید سے بالاتر ہے، وہ زمان ومکان کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھا اور اب بھی اسی شان کے ساتھ موجود ہے۔"[۷۳]

امام سید احمد رفاعی کا ایک قول یہ بھی ملتا ہے:

"لا یحده تعالیٰ المقدار، ولا تحویه الأقطار، ولا تحیط به الجهات، ولا تکتنفه السموات، وأنه مستو علی العرش علی الوجه الذی قاله وبالمعنی الذی أراده، استواء منزها عن المماسة والاستقرار والتمکن والتحول والانتقال، لا یحمله العرش، بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته، ومقهورون فی قبضته، وهو فوق العرش، وفوق کل شیء إلی تخوم الثری، فوقیة لا تزیده قربا إلی العرش والسماء، بل هو رفیع الدرجات عن العرش کما أنه رفیع الدرجات عن الثری۔"

"نہ تو مقدار اس کی تحدید کر سکتی ہے، نہ اطراف اسے گھیر سکتے ہیں، نہ ہی جہات اس کا احاطہ کر سکتی ہیں اور نہ ہی آسمان اسے گھیر سکتے ہیں۔ وہ عرش پر اسی طرح مستوی ہے جیسا اس نے ارشاد فرمایا، اور اسی معنی کے ساتھ ہے جو اس نے ارادہ کیا۔ اُس کا استوا؛ استقرار، تمکن اور حلول و انتقال سے منزہ ہے۔ عرش نے اُسے اٹھا نہیں رکھا ہے بلکہ عرش اور حاملین عرش کو اس کے لطف قدرت سے اٹھا رکھا ہے؛ اور وہ سب اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش اور زمین تک کی ساری اشیا سے بلند ہے، یہ بلندی ایسی ہے جو عرش و فلک سے قریب ہونے کا متقاضی نہیں، بلکہ اس کا درجہ عرش سے اسی طرح بلند ہے جس طرح فرش سے۔"[۷۴]

۹- امام مبارک بن محمد (م:۶۰۶) جو ابن اثیر سے مشہور ہیں، نے اپنی کتاب "النهاية في غريب الحديث" میں تحریر کیا ہے:

"المراد بقرب العبد من الله تعالىٰ القرب بالذكر والعمل الصالح، لا قرب الذات والمكان، لأن ذٰلك من صفات الأجسام، والله يتعالىٰ عن ذٰلك ويتقدس."

"قربِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ بندہ ذکر اور اعمال کے ذریعے قرب حاصل کرتا ہے، نہ کہ ذات و مکان کے لحاظ سے؛ کیوں کہ یہ تو صفات جسمانیہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔"[۷۵]

۱۰- امام فخر الدین رازی (م:۶۰۶ ھ) نے اپنی تفسیر "تفسیر کبیر" میں آیت "ءامنتم من في السماء [سورۃ الملك/۱۶]" کے تعلق سے فرمایا:

"أن اعتقاد أن الله في مكان فوق العرش أو غير ذلك من الأماكن هو اعتقاد المشبهة الذين قاسوا الخالق على المخلوق وهو قياس فاسد منشؤه الجهل واتباع الوهم."

"اس بات کا اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر یا عرش کے علاوہ کہیں اور کسی مکان میں ہے، یہ فرقہ مشبہہ کا عقیدہ ہے؛ جنھوں نے خالق کو مخلوق پر قیاس کیا ہے جو ایک فاسد قیاس ہے اور جہالت و اتباع وہم پر مبنی ہے۔"[۷۶]

امام رازی "تفسیر کبیر" کے اندر سورہ شوریٰ، آیت ۴ کے تحت رقم طراز ہیں:

"قوله تعالىٰ (وهو العلي العظيم) لا يجوز أن يكون المراد بكونه عليا العلو في الجهة والمكان لما ثبتت الدلالة على فساده، ولا يجوز أن يكون المراد من العظيم العظمة بالجثة وكبر الجسم، لأن ذٰلك يقتضي كونه مؤلفا من الأجزاء والأبعاض، وذٰلك ضد قوله: «قل هو الله أحد» [سورة الإخلاص/۱] فوجب أن يكون المراد من العلي التعالى عن مشابهة الممكنات ومناسبة المحدثات، ومن العظيم العظمة بالقدرة والقهر بالاستعلاء وكمال الالهية."

"باری تعالیٰ کے فرمان "وهو العلي العظيم" میں "العلي" سے یہ مراد لینا کہ وہ جہت و مکان کے اعتبار سے بلند ہے، درست نہیں؛ کیوں کہ اس کے فساد کے اوپر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ اور "العظيم" سے یہ مراد لینا کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت کے لحاظ سے بڑا ہے، یہ بھی درست نہیں؛ اس لیے کہ اس سے باری تعالیٰ کا اجزا سے مرکب ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات اللہ کے فرمان "قل هو الله احد" کے خلاف ہے، لہٰذا واجب ہوا کہ "العلي" سے مراد ممکن اور حادث چیزوں کی مشابہت سے منزہ ہونا ہے اور "العظيم" سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ عظیم قدرت والا، زبردست غلبہ والا اور کمال الوہیت والا ہے۔"[۷۷]

۱۱- شیخ ابو منصور فخر الدین عبدالرحمن بن محمد (م:۶۲۰ ھ) جو ابن عساکر سے مشہور ہیں، نے اللہ رب العزت کی شان میں "طبقات الشافعية" میں فرمایا:

"موجود قبل الخلق، ليس له قبل ولا بعد، ولا فوق ولا تحت، ولا يمين ولا شمال، ولا أمام ولا خلف، ولا كل

ولا بعض، ولا يقال متىٰ كان، ولا أين كان ولا كيف، كان ولا مكان، كون الأكوان، ودبر الزمان، ولا يتقيد بالزمان، ولا يتخصص بالمكان۔"

"اللہ تعالیٰ مخلوق کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا۔ اُس کے لیے نہ تو قبل ہے اور نہ ہی بعد، نہ تو فوق ہے اور نہ ہی تحت، نہ تو یمین ہے اور نہ ہی شمال، نہ تو امام ہے اور نہ ہی خلف، نہ ہی کل ہے اور نہ ہی جزء۔ وجود باری تعالیٰ کے تعلق سے کب، کہاں اور کیسے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے کائنات کو وجود بخشا اور زمانے کی تدبیر فرمائی، لیکن نہ تو وہ کسی زمانے کے ساتھ مقید ہے اور نہ ہی کسی مکان کے ساتھ مختص۔"[۷۸]

۱۲- حافظ، فقیہ، مجتہد و اصولی شیخ تقی الدین بن علی بن عبد الکافی سبکی شافعی اشعری (م:۷۵۶ھ) نے اللہ کو مکان سے منزہ ثابت کیا ہے اور ان لوگوں کا ردِ بلیغ کیا ہے جو اللہ کے لیے جسم اور مکان وجہت کو ثابت مانتے ہیں۔ آپ کا یہ قول آپ کے ہی تحریر کردہ رسالہ "السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل" میں مذکور ہے۔ امام سبکی اس رسالے میں لکھتے ہیں:

"ونحن نقطع أيضاً بإجماعهم -أي رسل الله وأنبيائه- (على التنزيه)، أما يستحي من ينقل (كذباً) إجماع الرسل علىٰ إثبات الجهة والفوقية الحسية لله تعالىٰ، وعلماء الشريعة ينكرونها. أما تخاف منهم أن يقولوا له إنك كذبت علىٰ الرسل۔"

"رسلان عظام اور انبیائے کرام کے اجماع کی وجہ سے بھی ہم اللہ کے تئیں جسم و مکان سے منزہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ کیا اُسے شرم نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ کے لئے حسی طور پر فوقیت اور جہت کے اثبات پر اجماعِ رسل کا جھوٹا دعویٰ پیش کرتے ہیں؟ جب کہ علمائے شریعت اس بات کا انکار کرتے رہے ہیں؛ اور کیا ایسے شخص کو اس بات کا بھی ڈر نہیں کہ علمائے شریعت اس سے کہیں گے کہ تم نے رسولوں پر افترا پردازی کی ہے۔"[۷۹]

۱۳- سلطان العلماء، شیخ عبد العزیز بن عبد السلام اشعری (م:۶۶۰ھ) کا قول "طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ترجمۃ عبد العزیز بن عبد السلام" کے ضمن میں یوں مذکور ہے:

"ليس -أي الله- بجسم مصور، ولا جوهر محدود مقدر، ولا يشبه شيئا، ولا يشبهه شيئ، ولا تحيط به الجهات، ولا تكتنفه الأرضون ولا السموات، كان قبل أن كون المكان ودبر الزمان، وهو الآن على ما عليه كان۔"

"نہ تو باری تعالیٰ کی صورت جسمیہ ہے اور نہ ہی وہ کوئی متعین و محدود جو ہر ہے ۔ نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے اور نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے ۔ نہ تو جہات اس کا احاطہ کرسکتی ہیں اور نہ ہی زمین و آسمان اس کو گھیر سکتے ہیں۔ وہ اُس وقت بھی موجود تھا جب اُس نے نہ تو مکان کو پیدا کیا تھا اور نہ ہی زمانے کی تدبیر فرمائی تھی؛ اور اس وقت بھی وہ اپنی سابقہ شان کے ساتھ موجود و جلوہ گر ہے۔"[۸۰]

۱۴- حافظ ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی اشعری (م:۶۷۶ھ) "شرح صحیح مسلم" میں رقم طراز ہیں:

"إن الله تعالى ليس كمثله شيء، وإنه منزه عن التجسيم والانتقال والتحيز في جهة وعن سائر صفات المخلوق۔"

"اللہ تعالیٰ کی مثل و مماثل کوئی چیز نہیں، وہ جسم وانتقال اور کسی بھی جہت میں سمانے سے پاک ہے، ساتھ ہی وہ مخلوق کی تمام صفات سے پاک و صاف ہے۔"[۸۱]

۱۵-قاضی شیخ بدرالدین محمد بن ابراہیم المعروف بابن جماعۃ شافعی اشعری (م:۷۳۳ھ) "ایضاح الدلیل" میں تحریر فرماتے ہیں:

"كان الله ولا زمان ولا مكان، وهو الآن على ما عليه كان."

"اللہ اس وقت بھی تھا جب کہ زمان و مکان کا وجود بھی نہ تھا، اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔" [۸۲]

۱۶-شیخ تقی الدین حصنی دمشقی (م:۸۲۹ھ) نے اپنی کتاب "دفع شبه من شبه وتمرد ونسب ذلك إلى السيد الجليل الإمام أحمد" میں اکثر مقامات پر یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک ہے اور انھوں نے اللہ کی تشبیہ ماننے اور اس کو جلیل القدر امام، امام احمد کی طرف منسوب کرنے والوں کا رد کیا ہے۔

۱۷-حافظ ابن حجر عسقلانی اشعری (م:۸۵۲ھ) "فتح الباری" میں رقم طراز ہیں:

"ولا يلزم من كون جهتي العلو والسفل محالاً على الله أن لا يوصف بالعلو؛ لأن وصفه بالعلو من جهة المعنى، والمستحيل كون ذلك من جهة الحس، ولذلك ورد في صفته العالي والعلي والمتعالي، ولم يرد ضد ذلك وإن كان قد أحاط بكل شيء علما."

"اللہ کے لیے جہت علو و سفل کے محال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ صفت علو سے متصف نہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ من جهة المعنى صفت علو سے متصف ہے؛ اور جو محال ہے وہ من جهة الحس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی صفت میں العالی، العلی والمتعالی آیا ہے، اس کے برعکس نہیں آیا ہے، اگرچہ اللہ کے علم نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔" [۸۳]

امام ابن حجر عسقلانی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"فمعتقد سلف الأئمة وعلماء السنة من الخلف أن الله منزه عن الحركة والتحول والحلول، ليس كمثله شيء."

"علمائے اہلِ سنت میں ائمہ سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حرکت، انتقال اور حلول سے پاک ہے، نیز اس کے مماثل کوئی چیز نہیں ہے۔" [۸۴]

۱۸-حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی (م:۹۰۲ھ) "المقاصد الحسنة" میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے:

"قال شيخنا -يعني الحافظ ابن حجر-: إن علم الله يشمل جميع الأقطار، والله سبحانه وتعالىٰ منزه عن الحلول في الأماكن، فإنه سبحانه وتعالىٰ كان قبل أن تحدث الأماكن."

"اللہ کا علم تمام اطراف کو شامل ہے اور اللہ سبحانہ اماکن (جگہوں) میں حلول سے پاک ہے؛ کیوں کہ رب تعالیٰ کی ذات تو اماکن (جگہوں) کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھی۔" [۸۵]

۱۹-حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، شافعی، اشعری (م:۹۱۱ھ) "شرح السیوطی لسنن النسائی" میں مذکور حدیث "أقرب ما یکون العبد من ربه وھو ساجد" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام قرطبی نے کہا:

"قال القرطبی: ھٰذا أقرب بالرتبة والکرامة، لا بالمسافة؛ لأنه منزه عن المکان والمساحة والزمان. وقال البدر بن الصاحب فی تذکرته: فی الحدیث إشارة إلی نفی الجهة عن الله تعالیٰ."

"اس سے مراد رتبہ اور شرف وبزرگی کے ذریعہ قربت ہے، مسافت کے ذریعہ قریب ہونا نہیں؛ کیوں کہ اللہ مکان، مسافت اور زمان سے منزہ ہے۔" اور بدر بن الصاحب نے اپنے تذکرہ میں کہا ہے: "اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جہت سے منزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔"[۸٦]

۲۰-شیخ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی مصری (م:۹۲۳ھ) اپنی صحیح بخاری کی شرح "ارشاد الساری" میں نقل فرماتے ہیں:

"ذات الله منزه عن المکان والجهة."

"اللہ تعالیٰ کی ذات مکان وجہت سے پاک ہے۔"[۸۷]

نیز اسی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے قول "وجوه یومئذ ناضرة" کے تعلق سے فرماتے ہیں:

"قول الله تعالیٰ: "وجوه" هی وجوه المؤمنین، "یومئذ" یوم القیامة، "ناضرة" حسنة ناعمة، "إلی ربها ناظرة" بلا کیفیة ولا جهة ولا ثبوت مسافة."

"وجوه" سے مراد مومنین کے چہرے اور "یومئذ" کا معنی روز محشر اور "ناضرة" کا مطلب خوش باش اور "الی ربها ناظرة" سے مراد بے کیفیت، بے جہت اور بغیر ثبوت مسافت کے رب کا دیدار ہے۔"[۸۸]

۲۱-شیخ قاضی زکریا انصاری شافعی اشعری (م:۹۲٦ھ) اپنی "شرح رسالہ قشیریہ" میں لکھتے ہیں:

"إن الله لیس بجسم ولا عرض ولا فی مکان ولا زمان."

"اللہ نہ تو جسم کے ساتھ ہے اور نہ ہی عرض کے ساتھ، یوں ہی وہ نہ تو کسی مکان میں ہے اور نہ ہی کسی زمانے میں۔"[۸۹]

شیخ قاضی زکریا انصاری اپنی اسی شرح میں یہ بھی فرماتے ہیں:

"لا مکان له کما لا زمان له؛ لأنه الخالق لکل مکان وزمان"

"جس طرح اللہ کے لیے زمانہ نہیں ہے اُسی طرح اللہ کے لیے مکان بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ وہی ہر مکان وزمان کا خالق ہے۔"[۹۰]

جماعت علما، حفاظ، فقہا، لغوین اور محدثین کے جو بیش قیمت اور زریں اقوال ہم نے بیان کیے اُن سے اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تشبیہ اور مکان سے مبرا و منزہ ہے۔ اور یہ اقوال زریں فرقۂ باطلہ کے جھوٹے عقائد کو توڑنے والے ہیں۔ ساتھ ہی اس سے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اس عقیدے کی وضاحت ہو جاتی ہے جو در حقیقت صحابہ کرام، تابعین عظام، نیز متقدمین ومتاخرین کا عقیدہ ہے۔ صحائف کی کمی کے پیش نظر ہم اِسی پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ تو سلسلہ دراز ہے۔

# حوالہ جات

۱-فیض القدیر، امام عبد الرؤوف مناوی، ۱۸۱/۶
۲-الفرق بین الفرق لأبی منصور البغدادی، ص:۳۳۳
۳-حلیة الاولیاء: ترجمة علی بن أبی طالب، ۷۳/۱
۴-إتحاف السادة المتقین، ۳۸۰/۴
۵-إتحاف السادة المتقین، ۳۸۰/۴
۶-الثقات لإبن حبان، ۱۳۱/۶
۷-الرسالة القشیریة، ص:۶
۸-شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، ص:۱۳۶-۱۳۷
۹-الوصیة، ص:۴/ شرح الفقه الأکبر، ص:۱۳۸
۱۰-الفقه الأبسط ضمن مجموعة رسائل أبی حنیفة بتحقیق الکوثری، ص:۲۰.
ونقل ذٰلك أیضا المحدث الفقیه الشیخ عبد الله الهرری المعروف بالحبشی فی کتابه الدلیل القویم، ص:۵۴
۱۱- کتاب الوصیة، ضمن مجموعة رسائل أبی حنیفة بتحقیق الکوثری، ص:
۲، وذکره الشیخ الهرری فی کتابه الدلیل، ص:۵۴، وملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر، ص:۷۰، عند شرح قول الإمام: "ولکن یده صفته بلا کیف."
۱۲-الفقه الأبسط، ضمن مجموعة رسائل أبی حنیفة بتحقیق الکوثری، ص:۱۲
۱۳-نقلا ملا علی القاری فی شرح الفقه الأکبر بعد أن انتهی من شرح رسالة الفقه الأکبر، ص:۱۹۸
۱۴-ذکر النقول من المذاهب الاربعة وغیرها علی ان اهل السنة یقولون: الله موجود بلا مکان ولا جهة، ص:۱۸
۱۵-إتحاف السادة المتقین، ۲۴/۲
۱۶-الفتاویٰ الحدیثیة، ص:۱۴۴
۱۷-تبیین کذب المفتری، ص:۱۵۰
۱۸- کتاب التوحید، ص:۶۹۔
۱۹- کتاب التوحید، ص:۸۵
۲۰-العقیدة الطحاویة، ص:۱
۲۱-تبصرة الادلة، ۱۷۱/۱ و۱۸۲
۲۲-العقیدة النسفیة ضمن مجموع مهمات المتون، ص:۲۸
۲۳-المصدر السابق، ص:۲۹
۲۴-تفسیر النسفی، سورة طه، اية:۵، مجلد:۲، ۴۸/۲
۲۵-شرح الفقه الاکبر: بعد ان انتهی من شرح رسائل الامام ابی حنیفة، ص:۱۹۶-۱۹۷
۲۶-رائحة الجنة شرح اضائة الدجنة، ص:۴۸-۴۹
۲۷-ذکر النقول من المذاهب الاربعة وغیرها علی ان اهل السنة یقولون: الله موجود بلا مکان ولا جهة، ص:۱۱
۲۸-اتحاف السادة المتقین، ۲۴/۲
۲۹-المصدر السابق، ۲۵/۲
۳۰-المصدر السابق، ۲۵/۲
۳۱-المصدر السابق، ۱۰۳/۲
۳۲- کتاب الاعتماد فی الاعتقاد، ص:۲
۳۳-المصدر السابق، ص:۵
۳۴-سفینة النجاة فی معرفة الله واحکام الصلاة، ص:۷
۳۵-مقالات الکوثری، مقال الاسراء والمعراج، ص:۴۵۲
۳۶-تکملة الرد علی نونیة ابن القیم، ص:۱۰۲
۳۷-الإنصاف فیما یجب اعتقاده ولا یجوز الجهل به، ص:۶۵
۳۸-الإنصاف فیما یجب اعتقاده ولا یجوز الجهل به، ص:۶۵
۳۹-المدخل، فصل فی الاشتغال بالعلم یوم الجمعة، ۱۴۹/۲
۴۰-المدخل: نصائح المرید، ۱۸۱/۳
۴۱-المدخل: فصل فی الاشتغال بالعلم یوم الجمعة، ۱۴۹/۲
۴۲-فتح الباری، ۱۲۴/۷
۴۳-الجامع لاحکام القرآن، سورة البقرة، آیة:۲۵۵، ۲۷۸/۳
۴۴-المصدر السابق، سورة الانعام، آیة:۳، ۳۹۰/۶
۴۵-المصدر السابق، سورة الانعام، اية:۳، ۳۹۰/۶
۴۶-المصدر السابق، سورة الفجر، آیة:۲۲، ۵۵/۲۰
۴۷-المصدر السابق، سورة الملك، آیة:۱۶، ۲۱۶/۱۸
۴۸-الاجوبة الفاخرة، ص:۹۳
۴۹-ام البراهین فی العقائد، متن السنوسیة، المطبوع ضمن مجموع مهمات المتون، ص:۴
۵۰-شرح الهدهدی علی ام البراهین، ص:۸۸
۵۱-الدر الثمین، ص:۳۰
۵۲-شرح الزرقانی علی موطا الامام محمد، ۳۶/۲
۵۳-الخریدة البهیة ضمن مجموع مهمات المتون، رقم البیت ۳۱، ص:۲۵
۵۴-براءة الأشعریین، ۷۹/۱
۵۵-تفسیره التحریر والتنویر ۲۹، ۳۳
۵۶-الباز الاشهب، ص:۵۷
۵۷-المصدر السابق، ص:۵۹
۵۸-الباز الاشهب، الحدیث الحادی عشر، ص:۸۶
۵۹-دفع شبه التشبیه، ص:۵۸
۶۰-صید الخاطر، ص:۴۷۶
۶۱-مشکل الحدیث، ص:۵۷

۶۲-مشکل الحدیث، ص:۶۴

۶۳-الفرق بین الفرق، ص:۳۳۳

۶۴-الأسماء والصفات، ص:۴۰۰

۶۵-التبصیر فی الدین، ص:۱۶۱

۶۶-انظر عقیدۃ الشیرازی فی مقدمۃ کتابہ شرح اللمع، ۱۰۷/۱

۶۷-الارشاد الیٰ قواطع الادلۃ، ص:۵۳

۶۸-الارشاد، ص:۵۸

۶۹-احیاء علوم الدین: کتاب قواعد العقائد، الفصل الاول، ۱۰۷/۱

۷۰-احیاء علوم الدین: کتاب قواعد العقائد، الفصل الثالث، الاصل السابع، ۱۲۸/۱

۷۱-البرہان المؤید، ص:۱۸،۱۷

۷۲- کتاب حکم الشیخ احمد الرفاعی الکبیر، ص:۳۶-۳۵

۷۳-اجابۃ الداعی الیٰ بیان اعتقاد الامام الرفاعی، ص:۴۴

۷۴-المرجع السابق، ص:۴۳

۷۵-النہایۃ فی غریب الحدیث، مادۃ قرب، ۳۲/۴

۷۶-تفسیر الرازی المسمیٰ بالتفسیر الکبیر، سورۃ الملك، الآیۃ:۱۶-۶۹/۳۰

۷۷-المصدر السابق، سورۃ الشوریٰ، آیۃ:۴، ۱۴۴/۲۷

۷۸-طبقات الشافعیۃ، ۱۸۶/۸

۷۹-السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل، ص:۱۰۵

۸۰-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ترجمۃ عبد العزیز بن عبد السلام، ۲۱۹/۸

۸۱-شرح صحیح مسلم، ۱۹/۳

۸۲-ایضاح الدلیل، ص:۱۰۳-۱۰۴

۸۳-فتح الباری، ۱۳۶/۶

۸۴-فتح الباری، ۱۲۴/۷

۸۵-المقاصد الحسنۃ، رقم ۸۸۶، ص:۳۴۲

۸۶-شرح السیوطی لسنن النسائی، ج:۱، ص:۸۷۶

۸۷-ارشاد الساری، ۴۵۱/۱۵

۸۸-ارشاد الساری، ۴۶۲/۱۵

۸۹-حاشیۃ الرسالۃ القشیریۃ، ص:۲

۹۰-حاشیۃ الرسالۃ القشیریۃ، ص:۵

# خطبہ حجۃ الوداع اور حقوق انسانی کا عالمی منشور

نور محمد لکھنوی

## تمہید:

دنیا انسانوں کی بھیڑ ہے۔ یہاں مختلف رنگ، نسل، قوم اور مذہب سے وابستہ افراد اور مختلف خیالات و افکار کے حامل لوگ بستے ہیں۔ ہر شخص کا تعلق بہت سے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور تہذیبی و تمدنی مسائل سے ہوتا ہے، جن سے نبرد آزما ہونا اور خوبصورتی کے ساتھ انہیں نبھانا، خوشگوار زندگی کا ناگزیر حصہ ہے۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں یہ واقفیت بہت ضروری ہے کہ مختلف قسم کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تعلق ہونا چاہئے اور کن چیزوں کو اپنا کر ہر شخص پر امن فضا میں سانس لے سکتا ہے۔ بلفظ دیگر اس بات کا علم ضروری ہے کہ ہر شخص کو کون سے بنیادی حقوق حاصل ہیں؟ فرد کے فرد پر کیا حقوق ہیں؟ ہر شخص پر امن و صحت مند معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں کس حد تک ذمہ دار ہے؟ اور وہ کون سے امور ہیں جن کی بجا آوری یکساں طور پر ہر شخص کے لئے لازم ہے؟

## حقوق انسانی کے تعلق سے اسلام کا امتیاز:

ادیان و مذاہب کی فہرست میں مذہب اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں فرد اور معاشرے کے انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مختلف رنگوں سے بھری اس دنیا میں رہ کر انسان کس طرح خود اپنی زندگی کارآمد اور کامیاب بنا سکتا ہے اور کس طرح دوسرں کے لئے نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے، ان دونوں پہلوؤں سے متعلق اسلام مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسول میں تمام حقوق و فرائض کا تفصیلی بیان متفرق طور پر موجود ہے مثلاً جان کا تحفظ، عقل کی سلامتی، عزت نفس، فکر کی آزادی کا حق، تعبیر کی آزادی کا حق، عدل و انصاف کا حق، ظلم کے خلاف چارہ جوئی کا حق، سیاسی حقوق، جائداد کا حق یا دیگر اقتصادی حقوق، ان کے علاوہ والدین کے حقوق، زوجین کے حقوق، عورتوں، بچوں، غلاموں کے حقوق، مہمانوں اور پڑوسیوں کے حقوق وغیرہ۔

## خطبہ حجۃ الوداع: حقوق انسانی کا عالمگیر منشور:

متفرق طور پر بیان کئے گئے ان تمام حقوق اور ہدایات و تعلیمات سے قطع نظر رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا بلاشبہ اس کی حیثیت "حقوق انسانی کے عالم گیر منشور" کی ہے۔ جس میں تمام بنیادی انسانی حقوق کا جامع بیان ہے۔ اس سے پہلے تک تاریخ کسی ایسے قانون، منشور، دستاویز اور آئین وغیرہ سے نا آشنا تھی، جس کو بجا طور پر حقوق انسانی کے تحفظ کا ضامن قرار دیا جا سکے۔

## حجۃ الوداع میں خطبوں کی تعداد:

شیخ ابراہیم بن محمد الحقیل نے (Islamway.net) پر اپنے عربی مضمون "خطب النبی ﷺ فی حجۃ الوداع"[۱] میں بتایا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے تین خطبے ارشاد فرمائے۔ پہلا یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کو میدان عرفات میں، دوسرا یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو منی میں، اور تیسرا "اوسط ایام التشریق" (یعنی ۱۱ ذی الحجہ) کو منی میں۔ ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) نے اپنی تالیف "حجۃ الوداع" میں ۱۱ ذی الحجہ کے بعد ایک اور خطبے کا ذکر کیا ہے۔[۲] اس اعتبار سے حجۃ الوداع کے خطبوں کی تعداد چار ہو جاتی ہے۔ ان تمام خطبوں کا مجموعی نام "خطبہ حجۃ الوداع" ہے۔ ان میں میدان عرفات میں دیا جانے والا پہلا خطبہ زیادہ شہرت رکھتا ہے۔

## خطبہ حجۃ الوداع: مختلف اجزاء، متن کی تدوین اور خلاصہ:

خطبہ حجۃ الوداع کے اجزاء مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ مختلف مقامات پر کتب حدیث، تراجم، سیر اور تواریخ میں مذکور ہیں مثلاً صحیح بخاری[۳]، صحیح مسلم[۴]، جامع ترمذی[۵]، سنن ابو داؤد[۶]، سنن نسائی[۷]، سنن ابن ماجہ[۸]، سنن دارمی[۹]، طبقات ابن سعد[۱۰]، سیرت ابن ہشام[۱۱]، تاریخ طبری[۱۲]، تاریخ ابن خلدون[۱۳] وغیرہ۔ ارباب تاریخ اور سیرت نگاروں نے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے مکمل صورت میں پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے مثلاً آخر الذکر چار حضرات۔

جدید دور میں کراچی یونیورسٹی شعبہ اسلامی تاریخ کے سابق صدر پروفیسر نثار احمد نے "خطبہ حجۃ الوداع– حقوق انسانی کا عالمی منشور" کے نام سے عظیم الشان علمی و تحقیقی کتاب تالیف کی ہے، جس میں مکمل خطبہ مصادر کی تخریج کے ساتھ مدون کیا گیا ہے اور عربی متن کے ساتھ پورے خطبے کو اردو پیراہن بھی پہنایا گیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر مکمل خطبے کا متن یا ترجمہ یہاں نہیں دیا جا رہا ہے۔ اس کے لئے اہل ذوق مذکورہ کتاب[۱۴] یا بیان کردہ دیگر مصادر کی طرف رجوع فرمائیں۔

پروفیسر نثار احمد نے پورے خطبے کو درج ذیل حصوں اور دفعات میں تقسیم کیا ہے:

حصہ الف (دیباچہ)

حصہ ب (اساسیات): دفعات: ۱–۸

حصہ ج (اجتماعیات) دفعات: ۹—۲۶

حصہ د (دینیات، عقائد، عبادت، معاملات، اخلاقیات) دفعات: ۲۷—۴۸

حصہ ر (اختتامیہ)

ان حصوں اور دفعات کے ضمن میں جو حقوق اور ہدایات بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

- تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی برتری نہیں حاصل ہے۔ برتری کا معیار صرف تقوی ہے۔
- ہر شخص کو زندگی کا حق حاصل ہے۔ لہذا کسی کو ناحق قتل نہیں کیا جا سکتا۔
- ہر شخص کی عزت و آبرو کا پاس لازم ہے۔ لہذا اس کو رسوا کرنا ممنوع ہے خواہ غیبت کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے۔
- کسی پر ظلم و ستم ناروا ہے۔ لہذا اس کو زدو کوب کرنا یا اس کی ایذا رسانی کے درپے ہونا، سختی کے ساتھ منع ہے۔
- خاندانی دشمنی کی بنا پر کسی کے ساتھ انتقامی کاروائی نہیں کی جا سکتی۔
- رنگ و نسل وغیرہ کی بنیاد پر امتیازی سلوک غیر منطقی ہے۔
- ہر شخص کا مال اس کی اپنی ملکیت ہے۔ کسی نامناسب طریقے مثلاً غصب، ظلم یا سود وغیرہ کے ذریعہ اس کا لینا نادرست ہے۔ لہذا امانت صاحب امانت کو واپس کی جائے گی، قرض صاحب قرض کو لوٹایا جائے گا اور ادھار لی ہوئی چیز عاریت دینے والے کو واپس کی جائے گی۔
- ضامن تاوان کا ذمہ دار ہو گا۔
- مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ کسی کا جرم دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ لہذا باپ کے جرم کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔
- عورتوں کا تحفظ اور ان کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے۔
- عورت کا بچہ اس شخص کی طرف منسوب ہو گا جس کی وہ بیوی ہے۔

- عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی امانت میں خیانت نہ کریں۔
- غلاموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ اور ان کی خاطر داری ان کا بنیادی حق ہے۔

واضح رہے یہ اس وقت کی بات ہے جب غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور انہیں مال مملوک یا ذاتی ملکیت کا مال سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے غلامی کو تو نہیں ختم کیا مگر غلاموں کی آزادی کو "کارِ ثواب" قرار دے کر ان کی آزادی کا بیج بویا اور متعدد احکام و ہدایات کے ذریعے انہیں معاشرتی پستی سے اٹھا کر انسانی وقار کا مستحق ٹھہرایا۔ آج دور جدید کے انقلابات کے دوران غلامی کا پورے پر خاتمہ ہو چکا ہے اور غلامی بین الاقوامی طور پر ممنوع ہو چکی ہے مگر "ماتحتی" کے لبادے میں اس کا وجود اب بھی باقی ہے، لہٰذا اس شق کا اطلاق گھر کے نوکروں، ہوٹل اور کارخانے کے ورکرس اور آفس کے کلرک وغیرہ پر ہو سکتا ہے۔

- بے حیائی، بدکاری، غیبت، چوری، سب و شتم، خون مسلم کو حلال سمجھنا، دین میں غلو (مبالغہ آمیزی یا انتہا پسندی)، اللہ کے نام پر جھوٹی قسم کھانا، ناپ تول میں کمی اور فساد پھیلانا یہ تمام باتیں ممنوع ہیں۔
- بقدر استطاعت علم حاصل کیا جائے۔
- اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا کی جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، سوائے بڑھاپے کے۔ اس لئے جو شخص کسی مرض میں گرفتار ہو جائے وہ اس کا علاج کرے۔ بلفظ دیگر ہر شخص کو حفظان صحت کا حق حاصل ہے۔
- ارکان اسلام یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار، نماز قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکات ادا کرنا اور خانہ کعبہ کا حج کرنا، ان امور کی بجا آوری اہل اسلام کے لئے لازم ہے۔
- خود کو اپنے باپ یا آقا کے علاوہ کسی دوسرے باپ یا آقا کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔

وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

- سربراہ حکومت کی اطاعت لازم ہے اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام (سماجی طور پر پسماندہ طبقے کا فرد) ہو۔ اس شق سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اہلیت کے مطابق ہر شخص حکومت میں حصہ داری کا حق رکھتا ہے۔

## مفہوم کے اعتبار سے دفعات کی ایک اور تقسیم:

مذکورہ امور کے علاوہ متعدد سماجی، معاشی، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی ہدایات و تعلیمات سے یہ جامع اور حکیمانہ خطبہ آراستہ و پیراستہ ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے تمام دفعات کو درج ذیل سات عنوانات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

- مسلمانوں کو دین پر قائم اور شرعی احکام پر عامل رہنے کے احکام۔
- ہر شخص کی جان، مال اور عزت و آبرو کا تحفظ۔
- ظلم و زیادتی ترک کر کے آپس میں اتفاق و اتحاد اور محبت سے رہنے کی ہدایت۔
- مردوں کو عورتوں سے متعلق اور عورتوں کو مردوں سے متعلق ہدایات۔
- غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت۔
- مالی معاملات میں دیانت داری اور سودی کاروبار سے ممانعت کی ہدایت۔
- اطاعت امیر کی ہدایت اگرچہ وہ سماجی طور پر کسی نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

## حقوق انسانی:

انسانی حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جو انسان ہونے کی حیثیت سے پیدائشی طور پر ہر انسان کو حاصل ہیں، اس کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ کس جنس، کس مذہب، کس قوم، کس علاقے، کس طبقے وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ واضح ہو جانے کے بعد یہ بات بالکل آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اوپر ''خطبہ حجۃ الوداع'' کی دفعات کا مفہوم کے اعتبار سے جو خلاصہ کیا گیا ہے، اس میں پہلے مفہوم کے ضمن میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا تعلق صرف اہل اسلام سے ہو سکتا ہے۔ بقیہ مفہوموں کے ضمن میں دی گئی ہدایات کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ تمام ہدایات پوری عالمی برادری کے لئے پر امن، برائیوں سے پاک اور معیاری زندگی بسر کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

## حقوق انسانی کی جدید فہرست:

آج کل درج ذیل امور کو حقوق انسانی کے ضمن میں رکھا جاتا ہے:

۱- زندگی یا جان کا حق

۲- انسانی عزت و آبرو کا حق

۳- مساوات، یکساں قانونی تحفظ اور عدم امتیاز کا حق

۴- تشدد، ظالمانہ اور غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک یا سزا کے خلاف حق

۵- شخصی آزادی کا حق

۶- غلامی سے نجات اور جبری مشقت سے نجات کا حق

۷- ذاتی زندگی کا حق

۸- شفاف عدالتی کاروائی کا حق

۹- عقائد، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق

۱۰- اجتماع کا حق

۱۱- مجلس سازی کا حق

۱۲- نقل و حرکت اور رہائش اختیار کرنے کا حق

۱۳- ملکیت کا حق

۱۴- خاندان کا حق

۱۵- بچہ کے حقوق

۱۶- تعلیم کا حق

۱۷- ملازمت کا حق

۱۸- تمام حقوق اور آزادیوں کے موثر نفاذ کا حق۔[۱۵]

اس فہرست پر نظر ڈالنے سے عیاں ہے کہ اس میں متعدد امور کو جدید تہذیبی و تمدنی زندگی کی رعایت کرتے ہوئے حقوق انسانی کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے مثلا: اجتماع کا حق، مجلس سازی کا حق، نقل و حرکت اور رہائش اختیار کرنے کا حق، ملازمت کا حق، تمام حقوق اور آزادیوں کے موثر نفاذ کا حق۔ ان امور سے قطع نظر دیگر تمام باتیں –جو اصل میں بنیادی انسانی حقوق ہیں– صراحتا یا ضمنی طور پر خطبہ حجۃ الوداع میں موجود ہیں۔

## اقوام متحدہ کا عالم گیر اعلان نامہ حقوق انسانی اور خطبہ حجۃ الوداع:

پہلی عالمی جنگ نے "مجلس اقوام" کو جنم دیا جسے تاریخ عالم کا اہم واقعہ قرار دیا گیا، مگر سیاسی طور پر اس کی مایوس کن کارکردگی کی وجہ سے دنیا کو دوسری عالمی جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، جس نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو عالم گیر اعلان نامہ حقوق انسانی کی قرار داد منظور کی۔ دسمبر ۱۹۶۶ء میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ جون ۱۹۹۳ء کی "ویانا عالمی کانفرنس برائے حقوق انسانی" نے تمام انسانی حقوق کو عالم گیر قرار دیا۔ اقوام متحدہ کے اس اعلان نامہ میں تیس دفعات کے ضمن میں بنیادی انسانی حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔ اوپر حقوق انسانی کی جو فہرست دی گئی ہے، یہ تیس دفعات، اس میں بیان کردہ ۱۸ نکات کے ہی محور پر گردش کرتی ہیں۔

## یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

ایک تو یہ کہ عہد وسطی میں یوروپی خانہ جنگیوں کے طویل دور اور بیسویں صدی کی دو خون آشام جنگوں کی ہولناکی کے بعد اہل مغرب کو انسانی جان ومال اور عزت و آبرو کی قیمت اور تحفظ کا احساس ہوا، جس کے نتیجے میں اقوام متحدہ کا قیام ہوا اور پھر اسی کے ذریعے حقوق انسانی کا عالم گیر منشور جاری کیا گیا۔

دوسرے یہ کہ اس اعلان نامہ میں درج حقوق انسانی کے تعلق سے بنائے گئے قوانین کے اجراء و نفاذ کو حتمی بنانے کے لئے کوئی عملی تجویز نہیں پیش کی گئی، نہ ہی ان حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں کوئی پیش بندی کی گئی بلکہ اسے بین الاقوامی برادری کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری طرف حقوق انسانی کے عالمی منشور خطبہ حجۃ الواع کو دیکھئے، جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پیغمبر اسلام کی زبان سے جاری ہوا۔ گویا مغرب نے انسانی زندگی کی قیمت و عزت کا جو اندازہ بیسویں صدی میں کیا، پیغمبر اسلام نے ساتویں صدی میں ہی اس کا اعلان کر دیا، وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ جو لوگ موجود ہیں وہ بعد والوں تک اسے پہونچا دیں۔ مزید یہ کہ پیغمبر اسلام نے دیگر بے شمار احکام و ہدایات کے ذریعے حقوق انسانی کی حفاظت کو یقینی بنا دیا ہے۔ یہ تو صرف خطبہ حجۃ الوداع کی بات ہے اگر عمومی طور پر اسلام کی روشنی میں حقوق انسانی اور اس سے متعلق دیگر پہلوؤں پر گفتگو کی جائے، تو اسلام مغرب کے تصور حقوق سے بہت آگے اور انتہائی بلندی پر نظر آتا ہے۔

اس پوری گفتگو سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کی حیثیت حقوق انسانی کے سلسلے میں اولین اور جامع دستاویز کی ہے، جس کی روشنی میں انسانوں کے تمام اساسی حقوق کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں شاید یہ کہنا بھی بیجا نہ ہو کہ خطبہ حجۃ الوداع کی ہی بنیاد پر دور جدید میں حقوق انسانی کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

## حوالہ جات

۱-الحقیل، ابراہیم بن محمد: خطب النبی ﷺ فی حجۃ الوداع، تاریخ اشاعت: ۱۴۱۰ھ/-۲۰۱۳ء۔ لنک حسب ذیل ہے:
https://ar.islamway.net/article/ ۱۸۰۲۹/ خطب-النبی-صلی-اللہ-علیہ-وسلم-فی-حجۃ-الوداع
۲-ابن حزم اندلسی، حجۃ الوداع، تحقیق: ابو صہیب الکرمی، ناشر: بیت الافکار الدولیۃ للنشر، ریاض، ۱۹۹۸، الفصل الاول، خلاصۃ فی اعمال الحج، ص: ۱۲۴-۱۲۵۔
۳-بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل: صحیح البخاری، دار ابن کثیر للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق-بیروت، طبع اول، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء، کتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی، حدیث نمبر: ۱۷۹۳ (ص: ۴۱۹).
۴-نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری: صحیح مسلم، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، حدیث نمبر: ۱۲۱۸ (ص: ۵۷۴--۵۷۶)
۵-ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی: الجامع الکبیر، تحقیق بشار عواد معروف، دار الغرب الاسلامی، بیروت، طبع اول ۱۹۹۶، جلد دوم، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث نمبر: ۱۱۶۳ (ص: ۴۵۵)۔
۶- سجستانی، ابو داؤد سلیمان بن اشعث: سنن ابی داؤد، تحقیق: صدقی جمیل العطار، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۲۰۰۵، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۹۰۵ (ص: ۳۵۴-۳۵۷)۔
۷-نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب: السنن الکبری، تحقیق: حسن عبد المنعم شلبی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱، جلد چہارم، کتاب المناسک، حدیث

نمبر:۳۹۸۵،۳۹۸۶،۳۹۸۷،۴۰۷۷،۴۰۷۸،۴۰۷۹،۴۰۸۰،۴۰۸۴،۴۰۸۵۔

۸- قزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ: سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۴ھ /۲۰۰۳ء، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، حدیث نمبر:۱۸۵۱(ص: ۴۳۴)۔

۹- دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن: مسند الدارمی معروف بہ سنن الدارمی، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، دار المغنی للمنشر والتوزیع، ریاض، سعودیہ عربیہ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء، جزء دوم، من کتاب المناسک، باب فی سنۃ الحاج، حدیث نمبر:۱۸۹۲، (ص:۱۱۶۷-۱۱۷۳)۔

۱۰- ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزہری، کتاب الطبقات الکبیر، تحقیق: ڈاکٹر علی محمد عمر، ناشر مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ /۲۰۰۱ء، جلد دوم، ص:۱۶۵--۱۶۸۔

۱۱- ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: عمر عبد السلام تدمری، ناشر دار الکتاب العربی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء، جلد چہارم، ص:۲۴۸-۲۵۱۔

۱۲- طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ الطبری)، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ناشر دار المعارف، مصر، طبع دوم، سن ندارد، جلد سوم، ص:۱۵۰-۱۵۲۔

۱۳- ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، تاریخ ابن خلدون (دیوان المبتدأ والخبر)، ناشر دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء، جلد دوم، ص:۴۷۹-۴۸۰۔

۱۴- احمد، نثار (ڈاکٹر)، خطبہ حجۃ الوداع- حقوق انسانی کا عالمی ملشور، انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز، بیت الحکمت، لاہور، مطبع: آصف یسین پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۰۵، ص:۱۷۳-۱۸۳ (عربی متن خطبہ)، ص:۱۸۴-۱۹۷ (عربی متن کا اردو ترجمہ)

۱۵- ملاحظہ ہو: اشرف، محمد، حافظ (ڈاکٹر): اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، طتع اول، ۲۰۱۳، ص:۱۷۵-۱۷۶۔

## مصادر و مراجع کی الف بائی فہرست

عربی:

۱۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد (اندلسی)، حجۃ الوداع، تحقیق: ابو صہیب الکرمی، بیت الافکار الدولیۃ للمنشر، ریاض، ۱۹۹۸ء۔

۲۔ ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، تاریخ ابن خلدون (دیوان المبتدأ والخبر)، ناشر دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۳۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزہری، کتاب الطبقات الکبیر، تحقیق: ڈاکٹر علی محمد عمر، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء۔

۴۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: عمر عبد السلام تدمری، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء۔

۵۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل: صحیح البخاری، دار ابن کثیر للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق-بیروت، طبع اول، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء۔

۶۔ ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی: الجامع الکبیر، تحقیق بشار عواد معروف، دار الغرب الاسلامی، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء۔

۷۔ دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن: مسند الدارمی معروف بہ سنن الدارمی، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، دار المغنی للمنشر والتوزیع، ریاض، سعودیہ عربیہ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء۔

۸۔ سجستانی، ابو داؤد سلیمان بن اشعث: سنن ابی داؤد، تحقیق: صدقی جمیل العطار، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۲۰۰۵ء۔

۹۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ الطبری)، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، ناشر دار المعارف، مصر، طبع دوم، سن ندارد۔

۱۰۔ قزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ: سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

۱۱۔ نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب: السنن الکبری، تحقیق: حسن عبد المنعم شلبی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء۔

۱۲۔ نیشاپوری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوری: صحیح مسلم، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

اردو:

۱۔ احمد، نثار (ڈاکٹر)، خطبہ حجۃ الوداع- حقوق انسانی کا عالمی ملشور، انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز، بیت الحکمت، لاہور، مطبع: آصف یسین پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۲۔ اشرف، محمد، حافظ (ڈاکٹر): اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، طتع اول، ۲۰۱۳ء۔

۳۔ الراشدی، زاہد، ابو عمار: اسلام اور انسانی حقوق- اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں (خطبات)، ترتیب: ناصر الدین خان عامر، ناشر: الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، اشاعت اول، اکتوبر ۲۰۱۱ء۔

۴۔ منہاس، احمد، حبیب: اسلام اور مغرب کا تصور انسانی حقوق- تحقیقی اور تقابلی جائزہ (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی۔)، گائیڈ: ڈاکٹر محمد انور خان پٹھان، شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۰۸ء۔

رسائل:

۱- ماہنامہ ماہ نور، دہلی، خصوصی شمارہ: اسلام اور حقوق انسانی، مدیر اعلی: سید ابو الحسن، ایڈیٹر: افضل مصباحی، اگست ۲۰۰۷ء۔

آن لائن مراجع:

عربی:

- ۱- الحقیل، ابراہیم بن محمد: خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع، تاریخ اشاعت: ۱۴-۱۰-۲۰۱۳۔ لنک حسب ذیل ہے: https://ar.islamway.net/article/۱۸۰۲۹/خطب-النبی-صلی-اللہ-علیہ-وسلم-فی-حجۃ-الوداع

انگریزی:

- UniversalDeclarationofHumanRights-Wikipedia.
- UniversalDeclarationofHumanRights,UnitedNations.Linkasfollows: https://www.google.com/url?sa=t&source=web&rct=j&url=https://www.un.org/en/udhrbook/pdf/udhr_booklet_en_web.pdf&ved=2ahUKEwj

# امیر المومنین حضرت علی کی بارگاہ میں غیر مسلم علماء وشعراء کا خراجِ عقیدت

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی

لکچرر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات بابرکات، ستودہ صفات گوناگوں امتیازی خصوصیات اور ہمہ جہت شخصیت کی حامل ہے۔ آپ کا اسمِ گرامی علی، کنیت ابوالحسن وابوتراب، لقب حیدرہ یعنی شیر ہے۔ والدِ ماجد کا نام حضرت ابوطالب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ والدہ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا جو بعد میں ضرورتِ شعری کے طور پر حیدر یا حیدرہ مشہور ہوگیا۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی، عم زادۂ رسول، نبی اکرم ﷺ کی آغوشِ تربیت میں عہدِ طفولیت گزارنے والے، بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے، شجاعت و بہادری کا پیکر، عظیم سپہ سالار، رحم و کرم سے معمور حاکم و امیر، حد درجہ سخی و مہربان آقا، بے مثال خطیب، فصاحت و بلاغت کے بدر منیر، بے عدیل صاحبِ فکر و بصیرت، بے نظیر منصف و فقیہ، دامادِ مصطفی، خلیفۂ رسول اور دوسری بہت سی گراں قدر خوبیوں و فضیلتوں کے شاہکار تھے۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوش بختی اور تربیتِ نبوی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت اور عہدِ طفولیت میں بھی کسی بت کے سامنے سرنگوں نہ کیا اور نہ ہی شرک وبدعت کی کسی رسمِ بد سے اپنے دامن کو آلودہ کیا۔[۲] جنگِ خندق کے موقع پر جب عرب کے مشہور و معروف بہادر و پہلوان عمرو بن عبدوُد (جو ایک سو سواروں کے برابر بہادر مانا جاتا تھا) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ نے آپ ہی کے تعلق سے یہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا: "پورا ایمان (یعنی علی) پورے شرک (یعنی عمرو بن عبدود) سے معرکہ آرا ہے۔[۳] شبِ ہجرت آپ ہی کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے بستر پر لٹایا اور حکم دیا کہ وہ صبح ہوتے ہی لوگوں کی امانتیں جو آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں انھیں لوٹا کر مدینہ منورہ پہنچیں۔ اور اس خوفناک رات میں جیسی آپ کو نیند آئی بقول آپ کے پھر ایسی پرسکون نیند تاحیات آپ کو میسر نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس رات امانتیں سپرد کر کے زندہ رہنے کی ضمانت بذاتِ خود رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی۔[۴] مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کے مابین رشتۂ اخوت قائم کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانے پر ہی ہاتھ رکھ کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میرے بھائی ہو، تم میرے وارث ہو، میں تمہارا وارث ہوں۔[۵] اسی طرح غدیر خم کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی مولیٰ ہے۔"[۶] اے اللہ تو اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ میرے اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں اور جو ان کو اپنا مولیٰ نہ مانے وہ مومن نہیں۔"[۷] اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جس نے علی کو ولی جانا اس نے مجھے ولی جانا اور جس نے مجھے ولی جانا اس نے اللہ کو ولی جانا اور جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اُس نے اللہ سے بغض رکھا۔[۸] اسی قسم کے الفاظ دعائیہ لہجے میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وارد ہیں۔ یعنی "اے اللہ! جو علی کو محبوب رکھے تو اس کو محبوب رکھ اور جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ۔[۹]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت و الفت کو صرف نبیٔ اکرم ﷺ نے ہی امتِ مسلمہ کے لیے لازم وضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ خود رب العالمین نے اپنے مقدس کلام میں اہلِ ایمان کے لیے اہلِ بیت کی محبت و مودّت کو واجب قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المؤدّۃ فی القربیٰ۔[۱۰]

"تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر اپنے قرابت داروں کی محبت۔"

مختصر یہ کہ حضرت علیؓ بے شمار فضائل و کمالات کے جامع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ان سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں، کثرت سے ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، ان کے نام سے موسوم محافل ومجالس منعقد کرتے ہیں اور ان کو اپنے لیے ثواب ونزولِ رحمت کا باعث اور مغفرت و نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہؓ و تابعین سے یہی درس ملتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنین حضرتِ علیؓ کی ذاتِ گرامی ایسی منفرد و بے مثال اور عبقری شخصیت کی حامل ہے کہ اپنے ہوں یا بیگانے، عربی ہوں یا عجمی اور مسلم ہوں یا غیر مسلم ہر طبقے، ہر مذہب اور ہر قوم کے اہلِ علم و دانش نہ صرف یہ کہ آپ سے بخوبی واقف ہیں بلکہ ان میں علم و آگہی کے عظیم دانشوروں کا ایک ایسا بڑا حلقہ وجماعت ہے جو آپ کی ہمہ جہت خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف و اقرار کرتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں اپنی محبت کا خراج پیش کرتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی زبانی اور صحبت میں کثرت سے ان کا ذکرِ خیر سن سن کر اور اسلامی تاریخ اور اسلام کے عظیم قائدین وبزرگ اکابرین بالخصوص اسلامی تاریخ کے ہیرو، عظیم پیشوا حضرت علیؓ کی سوانح کا مطالعہ کر کے غیر مسلم علماء و دانشور بھی آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اہلِ علم و دانش، محققین و مفکرین اور اہلِ زبان و ادب کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے منثور اور منظوم انداز میں حضرتِ علیؓ کی گوناگوں امتیازی خصوصیات و کمالات کا بحسن وخوبی تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے مشتے نمونہ از خروارے، چند اربابِ علم و دانش کے چیدہ چیدہ اقتباسات کا ذیل میں ہم ایک مختصر خاکہ پیش کررہے ہیں جن سے آپ بخوبی قیاس لگاسکتے ہیں کہ غیر مسلم علماء کی نظر میں حضرت علیؓ کی کیا اہمیت ہے؟

چنانچہ مشہور لبنانی امریکی ماہرِ تاریخِ عرب واسلام اور سامی زبانوں کے ماہر فلپ کھری ہٹی(PhilipKhuriHitti,۱۸۸۶-۱۹۷۸) اپنی مشہور زمانہ کتاب تاریخِ عرب(HistoryoftheArabs)میں حضرت علیؓ سے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

”حضرت علیؓ جنگ میں دلیر، کلام میں فصیح و بلیغ، دوستوں کے وفادار اور دشمنوں سے درگزر فرمانے والے تھے۔ وہ اسلامی تہذیب و شرافت کی ایک اعلیٰ مثال بن گئے اور عربی ادب کے سلیمان ہوگئے، جن کے اسمِ گرامی کے ارد گرد بے شمار نظمیں، کہاوتیں، خطبات اور واقعات جمع کیے گئے۔“[۱۱]

مایہ ناز انگریز مؤرخ گیرالڈ ڈی گوری(GeralddeGaury,۱۸۹۷-۱۹۸۴)نے اسلام اور عرب کے موضوع پر کئی کتب تصنیف کی ہیں۔ اپنی ایک کتاب ”مکہ کے حکمراں“(Rulers of Mecca)میں وہ حضرت علیؓ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہ مشورہ میں دانش مند، جنگ میں بہادر، دوستوں کے لیے مخلص، دشمنوں کے لیے مہربان اور ہمیشہ کے لیے اسلامی شرافت اور شجاعت کا بہترین نمونہ بن گئے۔“[۱۲]

جرمن ماہرِ اسلام ولفرڈ میڈلنگ(Wilferd Madelung)نے اسلام کی ابتدائی تاریخ اور شیعہ وسنی فرقوں کے تعلق سے کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ”محمد ﷺ کی جانشینی: ابتدائی خلافت کا ایک جائزہ“(The Succession to Mohamamd: A study of the early Caliphate)میں حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں:

”اموی حکومت کے اس جعلی دعوے کہ اسلام میں بادشاہت جائز ہے کیونکہ اللہ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بناکر بھیجا ہے اور اموی دغابازی، من مانی اور اختلاف پیدا کرنے والی حکومت اور ان کی انتقامی کارروائی کے مقابل وہ(یعنی مسلمان) حضرت علیؓ کی ایمانداری، ان کی اسلامی ریاست کے لیے خالص عقیدت، ان کی قلبی ذاتی وفاداریوں، ان کا اپنے سبھی حامیین سے مساوات کا سلوک اور اپنے شکست خوردہ اعداء سے عفو و درگزر کرنے کے جذبے کو سراہنے لگے۔“[۱۳]

اپنے زمانے کے مشہور و معروف تاریخ نگار چارلس ملس(CharlesMills-۱۷۸۸-۱۸۲۶)نے حضرت علیؓ کے تعلق سے اپنے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے:

”اپنی ولادت اور اپنے نکاح کی برتری کے ساتھ ساتھ انھیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا بھی شرف حاصل تھا۔ حضرت ابوطالب کے فرزند حضرت علیؓ ان اولین حضرات میں سے تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو دیا جانے والا سب سے پسندیدہ لقب موسیٰ ثانی یعنی ہارون تھا۔ حضرت علیؓ کی خطابت کے جوہر اور جنگ میں ان کی جواں مردی و بہادری اس قوم کے اوپر احسان ہیں جس کی نظر میں شجاعت ایک جوہر اور فصاحت حکمت ہے۔“[۱۴]

برطانوی مستشرق(Orientalist)اور کیمبرج یونیورسٹی میں عربی ادب کے پروفیسر سائمن اوکلے(SimonOckley)بیان کرتے ہیں:

”غور طلب بات یہ ہے کہ ان(حضرت علیؓ) کو ان کی والدہ نے مسجد الحرام میں پیدا کیا اور اس سے پہلے ایسا کبھی کسی کے ساتھ نہ ہوا تھا۔“[۱۵]

ممتاز امریکی تاریخ نویس واشنگٹن ارونگ (Washington Irving ۱۷۸۳-۱۸۵۹) نے اپنی کتاب "محمد ﷺ کے جانشینوں کی حیات" (Lives of the Successors of Mahomet) میں اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"وہ قریش کے بزرگ ترین قبیلے کی سب سے اعلیٰ واشرف شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اندر تین خصوصیات موجود تھیں جن کو قریش میں قابلِ قدر سمجھا جاتا تھا۔ شجاعت، فصاحت اور فضل۔ ان کی جواں مردی کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں شیر خدا کے لقب سے نوازا۔ ان کی فصاحت کے نمونے عربوں کے کئی مصرعوں اور مقولوں میں جابجا موجود ہیں۔ اور ان کا فضل اس بات سے بخوبی نظر آتا ہے کہ وہ ہر جمعہ بیت المال میں سے جو بھی بچتا تھا اس میں سے دوسروں کو حصے تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کی فراخ دلی کی کئی مثالیں ہم ماقبل بیان کر چکے ہیں۔ وہ ہر باطل شئ سے بیزار تھے اور ان کا ہر عمل حرص و طمع سے پاک تھا۔"

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"وہ ابتدائی دور کے آخری مسلمانوں میں سے ایک تھے اور ان سب میں سب زیادہ لائق وفائق تھے، جنھوں نے اپنا جذبۂ ایمان رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے پایا تھا۔ اور ان کے نمونۂ سادگی کی آخری دم تک اتباع و پیروی کی۔ ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو احتراماً پہلا خلیفہ کہا جاتا ہے کہ جنھوں نے ادب کو کچھ حد تک تحفظ بخشا۔ انھوں نے خود بھی شاعری کی اور ان کے بہت سے اقوال اور کہاوتوں کو محفوظ کیا گیا اور ان کا کئی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کی مہر پر یہ کندہ تھا "بادشاہت صرف اللہ کی ہے۔" وہ اس دنیا کی عارضی شان و شوکت کو بالکل بھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ یہ بات ان کے اس قول سے نمایاں ہوتی ہے: "زندگی صرف ایک بادل کا سایہ ہے یا خوابیدہ شخص کا خواب ہے۔" [۱۶]

برطانوی ادیب روبرٹ ڈیوری اوسبرن (Robert Durie Osborn ۱۸۳۵-۱۸۸۹) اپنی کتاب "عربوں کے تحت اسلام" (Islam under the Arabs) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے وصال کے ساتھ ہی وہ سب سے سچے دل والا اور بہترین مسلمان رخصت ہو گیا۔ جس کی یاد کو محمدی تاریخ نے محفوظ رکھا۔" [۱۷]

لبنانی عیسائی ادیب و شاعر جارج جارڈک (George Jordach ۱۹۲۶-۲۰۱۴) نے بزبان عربی "صوت العدالۃ الانسانیۃ" کتاب تصنیف کی جس کا انگریزی ترجمہ محمد فضل حق نے (Imam Ali, The Voice of human Justice) "امام علی، انسانی انصاف کی ایک آواز" نام سے کیا ہے۔ اس کتاب میں لبنانی عیسائی نے اپنے قارئین سے مختلف سوالات کیے ہیں، اقوامِ متحدہ کے جاری کردہ حقوق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ حقوق کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور حضرت علی کے نافذ کردہ حقوق انسانی کو کئی لحاظ سے برتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

(۱) کیا آپ کسی ایسے مذہبی سربراہ کو جانتے ہیں جس نے اپنے افسران کو ان الفاظ میں احکام دیے ہوں: لوگ تمہارے بھائی ہیں یا تو تمہارے دین کی وجہ سے (کہ وہ بھی اسلام کے پیروکار ہیں) یا پھر اس لیے برابر ہیں کہ وہ بھی تمہاری طرح اس زمین کے باشندے ہیں۔ لہٰذا انھیں معاف کرو اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرو کیونکہ تم اپنے رب سے ایسے ہی سلوک کی توقع رکھتے ہو۔

(۲) کیا آپ انسانی تاریخ میں کسی ایسے شجاع اور جنگجو کو جانتے ہیں جو اپنے ہی حریفوں سے محبت رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ ان میں عمدہ انسانی صفات پیدا ہوں اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا ہو۔ انھوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ جب تک ان پر پہلے حملہ نہ ہو وہ جنگ کی خود شروعات نہ کریں اور جب اللہ کے حکم سے دشمن شکست کھا جائے اور راہِ فرار اختیار کر رہا ہو تو فرار ہونے والے فوجیوں کو قتل نہ کیا جائے، نہ ہی ان کا تعاقب کیا جائے، نہ ہی زخمی فوجیوں پر حملہ کیا جائے اور نہ ہی عورتوں کو ہراساں کیا جائے۔

(۳) جب ان کے گیارہ ہزار خون کے پیاسے دشمنوں نے انہیں دریا سے پینے کا پانی نکالنے سے روکا تاکہ وہ اور ان کے فوجی پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائیں۔ لیکن جب وہ اسی دریا کو ایک خونریز جنگ کے بعد فتح کر لیتے ہیں تو وہ اپنے دشمنوں کو مدعو کرتے ہیں کہ وہ آئیں اور دریا سے پانی لیں جیسا کہ پہلے وہ اور ان کے فوجی لے رہے تھے۔ نیز وہ انھیں (اپنے حریفوں کو) اس بات کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ اپنے ساتھ جتنا پانی چاہیں لے جائیں۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو راہِ خدا میں لڑتے ہوئے شہید ہو جائے اس کا ثواب بھی اس شخص سے زیادہ نہیں ہوگا جو کہ اپنے دشمنوں کو معاف کر دے اور بدلہ نہ لے۔

(۴) کیا آپ کسی ایسے دانشور سے واقف ہیں جس نے چودہ سو سال قبل ایسے قوانین مقرر کر دیئے ہوں جنھوں نے ہزاروں خرافات کو چکنا چور کر دیا ہو اور جس نے کہا ہو: اگر کوئی شخص بھوکا ہے تو یقیناً اس کا حصہ کسی اور نے چھینا ہو گا۔ پھر کہا: جہاں بھی میں نے وافر دولت دیکھی ہے، میں نے دیکھا ہے کہ اس کے ساتھ کسی شخص کے حقوق غصب ہوئے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور نے مندرجہ ذیل حقوق تمام عالمِ انسانی کو دیئے:

(۱) ہم سب آزاد اور مساوی ہیں اور سب کے ساتھ مساوات کا سلوک ہونا چاہیے۔ (۲) عدیم تفریق (۳) حق زندگی (۴) غلامی ممنوع ہے (۵) ذہنی اور جسمانی اذیت ممنوع ہے۔ (٦) آپ کے حقوق ہیں چاہے آپ کہیں بھی جائیں۔ (۷) ہم سب قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ (۸) آپ کے انسانی حقوق قانون کے ذریعے محفوظ ہیں۔ (۹) غیر منصفانہ حراست ممنوع ہے۔ (۱۰) کاروائی کا حق۔ (۱۱) ہم اس وقت تک بے گناہ ہیں جب تک گناہ ثابت نہ ہو جائے۔ (۱۲) رازداری کا حق۔ (۱۳) اپنے ملک میں نقل و حرکت کی آزادی۔ (۱۴) زندگی گزارنے کے لیے محفوظ جگہ تلاش کرنے کا حق۔ اگر خود اپنے ہی وطن میں ہونے والے برے سلوک سے ہم خوف زدہ ہیں تو ہمیں وہاں سے ہجرت کرنے اور کسی دوسرے ملک میں پناہ لینے کا حق ہے تا کہ ہم محفوظ رہ سکیں۔ (۱۵) قومیت کا حق۔ ہم سب کو کسی ملک سے وابستگی کا حق ہے۔

خلاصہ یہ کہ جارج جارڈک نے اپنی کتاب میں اقوامِ متحدہ کے اس عالمی منشور کا موازنہ حضرت علیؑ کے عطا کردہ انسانی حقوق و قوانین کے ساتھ کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں انھوں نے حسب ذیل چار فرق دریافت کیے ہیں جو حضرت علیؑ کی عظیم شخصیت کو سمجھنے کے لئے بہترین معلومات فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے حضرت علیؑ کے عطا کردہ انسانی حقوق سے متعلق قوانین اور اقوامِ متحدہ کے منشور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی معمولی سا فرق دکھائی بھی دیتا ہے تو واضح طور پر اس کی وجہ اصطلاحات میں وقت کے ساتھ آنے والی تبدیلیاں ہیں اور یہ فرق نہ تو بنیادی ہے اور نہ ہی اصولی۔

اقوامِ متحدہ کے منشور میں ایسا کوئی بھی باب نہیں ہے جو حضرت علیؑ کے عطا کردہ قوانین سے مطابقت نہ رکھتا ہو بلکہ ان کے ذریعے دی گئیں تعلیمات میں کہیں زیادہ بہتر اور مفید باتیں پائی جاتی ہیں۔

میرے خیال میں ان دونوں قوانین کے مجموعوں میں جو بھی فرق نظر آتا ہے وہ ان چار وجوہات کی بناء پر ہے: اولاً تو یہ کہ اقوامِ متحدہ کا منشور ہزاروں دانشوروں کے ذریعے تیار کیا گیا تھا، جو کہ دنیا کے تقریباً ہر ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے برعکس علوی قوانین صرف ایک شخص (حضرت علیؑ) کے ذریعے بیان کیے گئے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت علیؑ اس دنیا میں چودہ سو سال قبل تشریف لائے تھے۔ تیسری وجہ یہ کہ جن لوگوں نے اقوامِ متحدہ کے منشور کا خاکہ تیار کیا یا صرف اس کے لیے مطلوبہ مواد فراہم کیا یہ لوگ حد درجہ غلو سے مملو مکالموں اور اپنی تعریف بذات خود کرنے میں ملوث ہو گئے اور فخریہ انداز میں کہنے لگے کہ ساری دنیا اس لحاظ سے ان کی قرض دار ہے۔ اس کے برعکس حضرت علیؑ نے خدا کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کے ساتھ انکساری سے پیش آئے۔ انھوں نے عظمت و برتری کی طلب نہ کی۔ ہمیشہ اپنے رب سے دعا گو رہے اور لوگوں سے اس بات کے امیدوار رہے کہ وہ ان کے ارتکابِ فعل اور ترکِ فعل کی لغزشوں کو نظر انداز کر دیں۔ اور اس فرق کی چوتھی وجہ جو کہ مذکورہ بالا تینوں وجوہات سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ وہ ممالک جنھوں نے اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور میں حصہ لیا تھا اور اس کو نافذ کیا تھا، انھوں نے خود ہی اس کو پامال کیا اور اس کو بے اثر بنانے اور ختم کرنے کے لیے مع اسلحہ جنگیں شروع کر دیں۔ مگر حضرت علیؑ نے جہاں بھی قدم رکھا اور جب بھی انھوں نے کوئی بات کہی یا اپنی تلوار نیام سے باہر نکالی، تو یہ انھوں نے ظلم و جبر کا خاتمہ کرنے اور صداقت و عدل کی راہیں ہموار کرنے کے لیے کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے انسانی حقوق کے دفاع میں شہادت پائی حالانکہ وہ جیتے جی ہزاروں بار پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔" [۱۸]

ثانیاً اسی طرح اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UnitedNationsDevelopmentProgram) کے اکثر و بیشتر اراکین غیر مسلم ہیں، اس کے باوجود انھوں نے اپنی ۲۰۰۲ء کی عرب رپورٹ برائے انسانی ترقی (Arab Human Development Report) جو کہ ساری دنیا میں تقسیم ہوئی، میں حضرت علیؑ کے چھ اقوال جو کہ حکومت سازی کے متعلق مثالی قوانین کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ بھی درج کئے۔ نیویارک (New York) میں واقع انسانی حقوق کمیٹی (The Committee of Human Rights) نے جنرل کوفی عنان کے زیرِ صدارت ۲۰۰۲ء میں یہ تاریخی قرار داد شائع کی:

"خلیفہ علی بن ابی طالب کو انسانی تاریخ میں (حضرت محمد ﷺ کے بعد) سب سے زیادہ منصف حاکم مانا جاتا ہے۔"

اقوامِ متحدہ کی یہ قرار داد ۱۶۰ رصفحات پر مشتمل ہے اور انگریزی زبان میں ہے۔ انسانی حقوق کی اس عالمی تنظیم نے دنیا کے حکمرانوں کو حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنے کو کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ قوانین حکومت کا معقول اور انسان دوست طریقہ ہیں۔ اس میں حاکم اور رعایا کے درمیان مشورہ بھی ہے، بدعنوانی اور دیگر بداعمالیوں کے خلاف آواز بلند کرنا بھی ہے، سب کے لیے انصاف کو یقینی بنانا بھی ہے اور داخلی ترقی حاصل کرنا بھی۔ اس نظریئے کی تائید و حمایت میں اس قرار داد کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد اقوال درج کیے گئے ہیں۔[۱۹]

اس طرح علم و آگہی کے مشہور و معروف اور معتبر و مستند غیر مسلم دانشور حضرات کے اقتباسات و حوالہ جات کے آئینہ میں نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی انسانی تاریخ کی ایک ایسی ممتاز و مثالی اور اعلیٰ ترین نمونۂ عمل شخصیت ہے کہ جس کے تئیں ہر مذہب، ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ اپنے قلوب میں محبت و الفت کا جذبہ بیدار رکھتے ہیں۔ اور ان کی عالم گیر اخلاق و انسانی تعلیمات کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

واضح ہو کہ غیر مسلم اہلِ علم و دانش و اہلِ فکر و تحقیق نے صرف نثری صورت میں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش نہیں کیا ہے بلکہ ایسے غیر مسلم شعراء و ادباء اور صوفی سنتوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے کہ جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت و ہمدردی، ان کی شجاعت و جواں مردی، اصابتِ رائے اور رحم دلی، عدل و انصاف پسندی، دشمنوں سے رواداری و غرباء پروری اور آپ کی ہمہ جہت صلاحیتوں وخوبیوں کو بڑے ہی عمدہ اسلوب میں شعری قالب اور منظوم شکل میں پیش کیا ہے، جن کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کے بے پناہ جذبات پوشیدہ ہیں۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیے۔ مشہور ہندو سنت کوی منجھن کہتے ہیں:

چوتھے علی سنگھ بھوگنی
دان کھرگ جیں سادھی دُنی [۲۰]

(چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ شیر کی طرح بہادر اور مختلف خصوصیات کے مالک ہیں تلوار جن کے قبضے میں پوری طرح ہے۔)

اسی مفہوم کی ترجمانی جائسی اور قاسم شاہ نے اس طرح کی ہے:

چوتھے علی سنگھ بر یارو
سونہہ نہ کوءَ رہا جھجھارو [۲۱]

(چوتھے علی رضی اللہ عنہ ہیں جو شیر کی طرح بہادر ہیں اور قسم ہے کہ ان جیسا جنگ جو کوئی نہیں۔)

چوتھے علی سور جگ بھانا
کفر بھنج سب لوک بکھانا[۲۲]

(چوتھے خلیفہ علی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شجاعت کو پوری دنیا جانتی ہے جن کی دشمنوں کو زیر کرنے کی طاقت کا چرچا سبھی کرتے ہیں۔)

غیر مسلم دانشورانِ شعر و سخن میں گوپی ناتھ امن کا نام بھی اس مناسبت سے سنہرے و جلی حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہے کہ وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے مداح گزرے ہیں۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جس کا عکس آپ کے کلام میں جابجا نظر آتا ہے۔ امن صاحب کو نہ تو کسی عذاب کا خوف تھا اور نہ ہی ثواب سے مطلب۔ ایک خالص محبت تھی جو ان کے دل میں جاگزیں تھی۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی صرف اور صرف تزکیۂ نفس اور طہارتِ قلب کے لیے کیا کرتے تھے۔ مثلاً ان اشعار کو دیکھیں:

کب تذکرۂ جاہ و حشم کرتا ہوں
کب تذکرۂ فیل و خدم کرتا ہوں
تزکیۂ نفس و پاکیٔ دل کے لیے
میں مدحتِ مولودِ حرم کرتا ہوں

امن صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دلی محبت ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی حیاتِ طیبہ کو اپنے لیے بہترین نمونۂ عمل قرار دیتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

علی نے راہِ خدا میں کیا جو خود کو نثار
ہر اک صاحبِ دل کیوں نہ ہو نثارِ علی
جو دل میں امن کے ہے کچھ بھی جذبِ قربانی
تو یوں سمجھئے کہ ہے رسمِ مستعار علی

امن صاحب کے دل میں حضرتِ علیؓ اور اولادِ علیؓ کی محبت وعقیدت کی شمع ایامِ طفولیت سے ہی روشن تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ امن صاحب مولیٰ علیؓ سے غلامی کی نسبت کو اپنے لیے سب سے بڑا اعزاز وخطاب تصور کرتے تھے۔

حقیر ہے فقیر ہے مگر علی کا مدح گر
یہی تو نازِ امن ہے یہ دل کی ہے تواں گری
غلامِ ذاتِ مرتضیٰ جو امن کو کہا گیا
بڑھے گا اس کا کیا وقار اور کسی خطاب سے

امن صاحب کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ کی ذات بابرکات ایسی راہبر ورہنما ہے کہ جس سے دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتی ہیں لیکن دنیاوی عیش وعشرت کا بندۂ وغلام اس فلسفے کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

سبب یہ ہے بھٹک گئے ہیں مرتضیٰ کی راہ سے
جو آئیں اس کی راہ پر بہار ہی بہار ہے
اے بندۂ عیش اے غلامِ دنیا
ہرگز نہ علی کی بات سمجھے گا تو

حقیقت یہ ہے کہ جناب امن کو محبتِ اہلِ بیت وعقیدتِ علیؓ وراثت میں ملی تھی۔ کیونکہ ان کے والد محترم "مہادیو پرساد عاصی، لکھنوی (۱۸۷۵ء-۱۹۳۵ء) بھی اہلِ بیت عظام، ائمہ کرام بالخصوص بارگاہِ مولیٰ علیؓ میں منظوم گلہائے عقیدت پیش کرتے تھے۔ ان کے یہ چار مصرعے ملاحظہ فرمائیں:

جچتا ہی نہیں کوئی بشر میری نظر میں
معیار ہے کردار علیؑ خدا کا مرے سر میں
دامن پہ ترے اشکوں کے دھبے نہیں عاصی
تحریر ہے رحمت کی چھپی دامن تر میں[۲۳]

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی راجہ سرکشن پرشاد کی ذاتِ گرامی ہے کہ جنھوں نے حضرت مولیٰ علیؓ کے اقوال کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جس کے متعلق وہ خود رقم طراز ہیں کہ:

"فقیر نے حضرت امیر المومنین غالب کل غالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے حکیمانہ اقوال اور پرمعنی مقولوں کو عربی سے ترجمہ کر کے اردو وفارسی میں نظم کر کے سعادتِ دارین حاصل کی ہے۔ جس کو نہایت ادب اور فخر کے ساتھ اپنے آقا وولی نعمت نظام الملک آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں بہادر کے نام نامی پر معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے۔"[۲۴]

مداحانِ حضرت علیؓ میں دگمبر پرساد گوہر دہلوی کا نام بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ جو اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آزادئ خیال کی قدرت ہمیں بھی ہے
حیدر کے نامِ نامی سے نسبت ہمیں بھی ہے
موقوف مسلموں پہ نہیں الفتِ علی
آقائے دو جہاں سے عقیدت ہمیں بھی ہے

خواب میں حسنِ علی کا مجھ کو درشن ہوگیا
اب منور نور کے پرتو سے یہ من ہوگیا
نامِ نامی سے مجھے حیدر کے جب نسبت ہوئی
سب پکار اٹھے کہ یہ فولاد کندن ہوگیا[۲۵]

گوہر دہلوی کہتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے مسلمان ہی نہیں بلکہ ہم بھی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ان سے ہمیں بھی اک نسبت ہے اور اسی محبت و عقیدت اور نسبت نے مجھے خواب میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف بخشا بلکہ میرے دل کو منور اور میری ذات کو کندن بنادیا ہے۔

اسی خیال اور اسی مفہوم کو مہندر سنگھ بیدی سحر اس طرح شعری جامہ پہناتے ہیں:

ہم کسی دین سے ہوں قائلِ کردار تو ہیں
ہم ثنا خوانِ شہِ حیدرِ کرار تو ہیں
تو تو ہر دور کے ہر دین کے انسان کا ہے
کم کبھی بھی تری توقیر نہ ہونے دیں گے
ہم سلامت ہیں زمانے میں تو انشاء اللہ
تجھ کو ایک قوم کی جاگیر نہ ہونے دیں گے

سحر صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی دین یا دھرم ہو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ کردار و سیرت کے ہم بھی قائل ہیں اور ہم بھی ان کے مدح خواں ہیں، اس لیے کہ آپ کی مبارک ذات ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے نمونہ (Ideal) ہے۔ ایسے محسن اور عظیم قائد کی بارگاہ میں ہم ہمیشہ محبت و احترام کا خراج پیش کرتے رہیں گے اور آپ کی ذات والاصفات پر کسی ایک قوم یا مذہب کی ملکیت و اجارہ داری نہ ہونے دیں گے۔

بیسویں صدی کے غیر مسلم شعراء میں مجاہد آزادی شری بھگوت سرن اگروال، ممتاز مراد آبادی کا نام بھی بطور خاص ذکر کے لائق ہے۔ اس لیے کہ آپ نے جہاں بہترین غزلیں اور نعتیں کہیں ہیں وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لائق تحسین منقبتیں بھی پیش کی ہیں کہ جن سے اُن کا حبِّ علی رضی اللہ عنہ اور عقیدتِ اہل بیت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس حقیقت کی بخوبی ترجمانی ہوتی ہے:

ان کی نگاہِ لطف سے ذرہ بھی آفتاب ہے
جلوۂ شاہدِ ازل کعبے میں بے نقاب ہے
سارے جہاں کے ناخدا اور وہ جانِ مصطفی
جن کا کوئی جواب تھا اور نہ کوئی جواب ہے
زینتِ کعبہ بھی ہیں وہ رونقِ مسجد الحرام بھی
حامیٔ بیکساں بھی ہیں ان کا کہاں جواب ہے
شیر خدا کے سامنے ہیچ ہے قوتِ جہاں
نام سے ان کے ہر جری آج بھی آب آب ہے
بھگوتِ زار کی طرف اک نگاہِ لطف ہو
وہ تری بزمِ خاص میں آج بھی باریاب ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور اپنا منظوم نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے ممتاز مراد آبادی کہتے ہیں کہ آپ کی نظر عنایت سے ذرہ بھی مثل خورشید ہے۔ اور آپ کی ذات وہ ذات ہے کہ خدا کے گھر بیت اللہ میں پیدا ہوئے تو گویا آپ کی صورت میں جلوئہ خدا رونما ہوا۔ آپ ساری کائنات کے آقا و مولیٰ ہیں اور مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی جان ہیں۔ کعبہ کی زینت، مسجد الحرام کی رونق اور بیکسوں کے حامی جیسی بہت سی صفات کے حامل ہونے کی وجہ سے آپ کا کوئی جواب نہیں۔ آپ کی شجاعت و بہادری کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ہیچ ہے اور بڑے سے بڑا بہادر آپ کا نام سنتے ہی پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اے ستودہ صفات ہستی اس لاچار بھگوت پر کرم کی اک نظر فرمایئے۔ وہ آج بھی آپ کی بارگاہ سے نگاہِ کرم کا امیدوار ہے۔

نام سے جس کے سلاطینِ
جہاں گھبرائیں گے
آج وہ خیبر شکن شیر خدا پیدا ہوا
جس کی ہیبت سے لرز
جائیں گے سب اعدائِ دیں
شاہِ مرداں شیر یزداں مرحبا پیدا ہوا
یہ کرم مجھ پر علی کا ہے اُسی کا فیض ہے
ذات سے اُس کی جو دل کو واسطہ پیدا ہوا
مہر ومہ نے غنچۂ وگل نے صدا دی بار بار
شکر ہے بے آسروں
کا آسرا پیدا ہوا[۲۶]

بھگوت سرن ممتاز حضرت علیؓ کی ولادت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"جن کے نام سے دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ خوف زدہ ہوں گے آج وہ فاتحِ خیبر اور اسد اللہ پیدا ہوا ہے۔ جس کی ہیبت سے دین کے دشمنوں پر کپکپی طاری ہوگی وہ بہادروں کا بہادر اور شیر خدا پیدا ہوا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ چاند و سورج، گل اور کلیاں وغیرہ زبانِ حال سے یہ کہ رہی تھیں کہ آج بے سہاروں کا سہارا پیدا ہوا ہے۔"

سرزمین مراد آباد ہی سے تعلق رکھنے والے اردو ادب کے ایک ممتاز غیر مسلم شاعر ستیش کمار گپتا فگار مراد آبادی ہیں۔ یہ بھی غلامانِ اہل بیت اور محبانِ علیؓ میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے آپ کو کس درجہ محبت وعقیدت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے کلام کا ایک مجموعہ بنام "کوثرِ مدحت" صرف اور صرف حضرت علیؓ کی شان میں تحریر کردہ مناقب و منظوم فضائل کا حسین گلدستہ ہے۔ ذیل میں ہم کوثرِ مدحت سے چند چنندہ اشعار نقل کر رہے ہیں تا کہ اہلِ علم بخوبی جان لیں کہ فگار مراد آبادی کی حضرتِ علیؓ سے محبت و عقیدت کا کیا معیار ہے؟

فگار صاحب حضرت علیؓ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا قول و عمل یقیناً نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا آئینہ دار ہے۔

نبی کی سیرت کا آئینہ ہے — علی کا قول و عمل یقیناً
رضا خدا کی سمجھنا ہے تو — علی کی تم زندگی کو دیکھو
قدم تمہارے بہک نہ جائیں — صراطِ دینِ محمدی سے
اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں — نقوشِ پائے علی کو دیکھو
جہادِ اکبر کے علی نے — حفاظتِ دینِ حق کی خاطر
کہ ذوالفقار علی کو دیکھو — تم اس کی دیں پروری کو دیکھو
بغیر تکلیف تیر نکلا — علی کے پا سے بوقتِ سجدہ
اگر ہو تم صاحبِ بصیرت — علی کی اس بندگی کو دیکھو
فروغِ اسلام کے لیے ہی — علی نے ہستی مٹادی اپنی
خرد کی آنکھوں سے تم علی کے — فرائضِ منصبی کو دیکھو [۲۷]

اگر تمہیں یہ سمجھنا ہے کہ خدا کی رضا کیسے حاصل ہوگی تو تم حضرتِ علیؓ کی زندگی کا مطالعہ کرو۔ دینِ محمدی کی راہ سے تمہارے قدم ڈگمگا نہ جائیں، اس لیے مشورہ ہے کہ حضرتِ علیؓ کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرو۔ حضرت علیؓ نے دینِ حق کے تحفظ کے لیے بڑے بڑے جہاد فرمائے، جس کو آپ ذوالفقار حیدری اور آپ کے جذبۂ دیں پروری کی روشنی میں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کی عبادت و بندگی کا اندازہ لگانا ہے تو تاریخ کا وہ منظر یاد کریں کہ پیر

میں چبھا ہوا تیر عین سجدہ کی حالت میں نکالا گیا اور آپ کو تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔ مختصر یہ کہ عقلِ سلیم کی روشنی میں اگر سوانحِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے فرائضِ منصبی کی تکمیل اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنی ہستی فنا کر دی۔

فگار صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کو بھی بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ مثلاً یہ چند بند ملاحظہ فرمائیں:

جس کے والد تھے ابوطالب وہ بچہ کون تھا؟
جو ہوا تھا خانۂ کعبہ میں پیدا کون تھا؟
جو شریکِ زندگی تھا فاطمہ کا، کون تھا؟
وہ علی ہی تھے علی کے ماسوا کوئی نہیں
راہِ حق میں کس نے سر کی تھی لڑائی بدر میں؟
دشمنوں کے سر پہ کس کی تیغ براں چھا گئی؟
کون سے جانباز نے مارے تھے بائیس آدمی؟
وہ علی ہی تھے علی کے ماسوا کوئی نہیں
اہلِ حق کو سرخوشی دی، کافروں کو ڈر دیئے
عمرو ابنِ عبدود کے جس نے ٹکڑے کر دیئے
جس کی تیغ حیدری کو دشمنوں نے سر دیئے
وہ علی ہی تھے، علی کے ماسوا کوئی نہیں
مرحب و عنتر کو تیغ حیدری سے مار کر
فوجِ اسلامی کو دی سرشارئ فتح و ظفر
توڑ کر خیبر کا در جس نے کیا خیبر کو سر
وہ علی ہی تھے، علی کے ماسوا کوئی نہیں[۲۸]

فگار صاحب کے حسب ذیل ناصحانہ اشعار بھی انتہائی بصیرت افروز ہیں:

جو سچے دل سے پیروئ حیدری کرے
دنیا یہ ہے اُسی کی اور عقبیٰ اُسی کا ہے
مانے نہ مانے کوئی مگر مانتا ہوں میں
دشمن جو ہے علی کا وہ دشمن نبی کا ہے
بدر و احد کہ خندق و خیبر حنین ہو
ان سب میں ہے کمال تو تیغ علی کا ہے[۲۹]

مختصر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدحت اور تعریف وتوصیف میں غیر مسلم علماء وشعراء نے جتنی بڑی مقدار میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ بطورِ اختصار ہم یہاں چند غیر مسلم شعراء کا ضمنی کلام اور پیش کر رہے ہیں تا کہ موضوع کی مناسبت سے ہماری معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔ چنانچہ دھرمیندر ناتھ آزاد مئے حبِّ علی رضی اللہ عنہ سے سرشار ہو کر کہتے ہیں:

وفا کی راہ چلتے ہیں وفا کی روشنی والے
کلامِ حق بھی پڑھ لیتے ہیں آیاتِ جلی والے
مسلماں تو نہیں ہیں ہم مگر اتنا سمجھتے ہیں
درِ جنت سے واپس آ نہیں سکتے علی والے

ورمن کمار ورما حدیثِ رسول کو اس طرح منظوم سانچے میں ڈھالتے ہیں:

زباں پر کلمۂ توحید دل میں بغضِ حیدر ہے
بقول احمدِ مرسل منافق کا نشاں یہ ہے

اور ماتھر صاحب اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

علی کا روضہ اگر دیکھتے ہیں ہم ماتھر
ہمارے ہاتھ بھی اٹھ جاتے ہیں دعا کے لیے[۳۰]

## حوالہ جات


۱-ابن سعد، طبقات، بیروت، ۱۹۵۷ء، جلد ۳، صفحہ:۱۹ تا ۲۲-
۲-دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد ۱۴ /۲، صفحہ:۲۵-
۳-محمد محسن، سیرتِ پاک حضرت علی، لاہور، شاکر پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، صفحہ:۴۴-
۴-ایضاً، صفحہ:۲۸-
۵-ابن سعد، طبقات، بیروت، ۱۹۵۷ء، جلد:۳، صفحہ:۲۲/ محمد محسن، سیرتِ پاک حضرت علی، لاہور، شاکر پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، صفحہ:۳۰-
۶-ترمذی، الجامع الصحیح (۶:۷۹) ابواب المناقب، رقم:۳۷۱۳، بیروت لبنان، دارالغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء/احمد بن حنبل، المسند (۴:۲۸۱)، بیروت لبنان، المکتب الاسلامی، ۱۹۷۸ء اور المسند (۱:۱۱۸)-
۷-محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، جدہ، سعودی عرب، مکتبۃ الصحابہ، ۱۹۹۵ء، صفحہ:۱۲۶-/ابنِ ماجہ، السنن (۱:۸۸) المقدمہ، رقم:۱۱۶، بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء-
۸-ہیثمی، مجمع الزوائد، (۹:۱۰۸، ۱۰۹)، قاہرہ، مصر، دارالریان للتراث، ۱۹۸۷ء-
۹-طبرانی، المعجم الکبیر (۲:۳۵۷)، رقم:۲۵۰۵، موصل، عراق، مطبعۃ الزہراء الحدیثہ-
۱۰-سورۃ الشعراء، آیت ۲۴-
۱۱- PhilipKhuriHitti,HistoryoftheArabs,London,1964,P.183
۱۲- GeralddeGaury,RulesofMecca,London,1951,P.49
۱۳- WilferdMadelung,TheSeuccessiontoMuhammad,Cambridge,1997,PP309-310.
۱۴- CharlesMills,AHistoryofMuahmmaedanism,London,1818,P.89
۱۵- SimonOckley,HistoryoftheSaracens,London,1894,P.331
۱۶- WashingtonIrving,LivesoftheSuccessorsofMahomet,London,1850,P.165,PP.187-188
۱۷- RobertDurieOsborn,IslamundertheArbas,Longmans,GreenandCo.1876,P.120.
۱۸- GeorgeJordach,TheVoiceofHumanJustice,Qum,Iran,AnsariyanPublication,1956.
۱۹- TheUNDP2002ArabHumanDevelopmentReportaboutKnowledgeandWorkofImamAli,inBox5.6andBox7.3.
۲۰-ڈاکٹر ماتا پرساد گپتا، منجھن کی تخلیق مدھومالتی، الہ آباد، متر پرکاشن پی ایل، ۱۹۶۱ء، ص ۹-
۲۱-رام چندر شکلا، جائسی گرنتھاولی، کاشی، ناگری پرچارنی سبھا، ۲۰۱۷ بکرمی، صفحہ:۵-
۲۲-قاسم شاہ، ہنس جواہر بھاشا، لکھنؤ، تیج کمار پریس بکڈپو، ۱۹۵۲ء، صفحہ:۴-
۲۳-دھرمیندر ناتھ آزاد، ڈاکٹر، چراغِ ہدایت حضرت امام حسین، نئی دہلی، خانہ فرہنگ جمہوری ایران، ۲۰۱۴ء، صفحہ:۷۹ تا ۸۲-
۲۴-راجہ سرکشن پرساد، اقوال حضرت علی منظوم، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ۱۹۲۳ء-
۲۵-ماہنامہ آستانہ، دہلی، مئی ۱۹۵۶ء، صفحہ:۴۴-
۲۶-ممتاز، بھگوت سرن اگروال، جذباتِ ممتاز، مراد آباد، غیر مطبوعہ، مرتبہ، ڈاکٹر محمد آصف حسین، صفحہ:۴۷-۴۵-۴۶-
۲۷-فگار، ستیش کمار گپتا، کوثرِ مدحت، مراد آباد، فینسی پریس، ۲۰۰۷ء، صفحہ:۵۷-
۲۸-فگار، ستیش کمار گپتا، کوثرِ مدحت، مراد آباد، فینسی پریس، ۲۰۰۷ء، صفحہ:۵۳-
۲۹-فگار، ستیش کمار گپتا، کوثرِ مدحت، مراد آباد، فینسی پریس، ۲۰۰۷ء، صفحہ:۵۶-
۳۰-انقلاب، رمضان اسپیشل، نئی دہلی، ۲۰۱۹ء، ۲۷ر مئی، صفحہ:۱۱-

# مسلم نوجوان اور مذہب سے دوری

ساجد علی مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
میں بلبلِ ناﻻں ہوں اک اجڑے گلستاں کا — تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے (اقبال)

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ”نوجوان“ ملک وملت کے مستقبل کا بیش بہا سرمایہ ہوتے ہیں اور کسی بھی قوم یا ملک کی فتح وشکست اور عروج وزوال میں اس کے نوجوانوں کا کردار وعمل بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے، نوجوان اپنے دین ومذہب اور ملک وملت کے تحفظ وبقا کے لیے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیتے ہیں، ان کے سینوں میں طوفانوں سے ٹکرانے کا عزم وحوصلہ اور بازوؤں میں طاغوتی طاقتوں کے پنجے مروڑ دینے کی قوت واستعداد ہوتی ہے، اور جب ان فطری امنگوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ایمانی حرارت اور روحانی طاقت شامل ہوجاتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلے میں ٹھہرنے کی ہمت وجرأت نہیں کرپاتی، چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم نوجوان جب ایمانی جوش وجذبہ کے ساتھ کفار ومشرکین کی فوج سے برسرپیکار ہوتے تو وہ منظر قابل دید ہوتا اور ان مجاہدوں کی شان یہ ہوتی تھی:

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے (اقبال)

وہ مسلم نوجوان ہی تھے جنھوں نے اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے قیصر وکسریٰ جیسی ظالم وجابر حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور میدان کارزار میں ان کے بڑے بڑے متکبر سورماؤں کو دھول چٹادی، وہ اپنے دین ومذہب سے محبت کرنے والے مسلم نوجوان ہی تھے جنھوں نے کفر وشرک کی وادیوں میں کلمہ حق بلند کیا اور جہالت وگم راہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے انسانوں کو علم ویقین کا نور اور ایمان وعرفان کی روشنی عطا کی، دین کی تبلیغ واشاعت میں ہر طرح کی رکاوٹوں کا پامردی سے مقابلہ کیا اور اپنے عزم وحوصلے سے وہ کام انجام دیا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم عاجز ہے۔

ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ جب مجاہدین اسلام نے تبلیغ دین کے لیے شہر ”مدین“ میں داخل ہونا چاہا تو دریا کی طغیانی درمیان میں حائل تھی اور بظاہر اسے عبور کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا، ایسے وقت میں انھوں نے دلیری کا مظاہرہ کیا اور نتائج سے بے پروا ہوکر دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیے، ایرانیوں نے جب مجاہدین کی یہ جرأت وہمت دیکھی تو ان کے ہوش اڑ گئے اور وہ سب شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے:

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

مگر افسوس! آج اسی قوم مسلم کے نوجوان اپنے دین ومذہب سے دور ہوتے جارہے ہیں، بلکہ بہت سے نوجوان تو ایسے بھی ملتے ہیں جن کی باتوں سے ان کی مذہب بے زاری جھلکتی ہے۔ یہ صورت حال ہم مسلمانوں کے لیے بڑی نازک اور پریشان کن ہے، ہمیں مل بیٹھ کر اس پہلو پر غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ آج ہمارے نوجوان دین ومذہب سے دور یا احکام شرع سے بے زار کیوں ہو رہے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ کل تک جو نوجوان گم گشتگان راہ کو ان کی منزل کا پتہ بتاتے تھے آج وہ خود ہی بے راہ روی کا شکار ہیں، کیا بات ہے کہ ماضی میں مسلم نوجوان دین ومذہب کی حفاظت اور اس کی سرفرازی کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے اور آج وہی نوجوان دین ومذہب کے خلاف بے جا تبصرے کر رہے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم اسی موضوع کے بعض گوشوں پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور قارئین کرام سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس جانب اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ غور وفکر کریں گے اور مسلم نوجوانوں کی مذہب سے دوری کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی اصلاح کے لیے عملی اقدام بھی کریں گے۔

## زندگی کے مختلف ادوار اور نوجوانی:

انسانی زندگی کے حوالہ سے مختلف کتابوں کی ورق گردانی سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے پانچ دَور ہوتے ہیں:

(۱) بچپن۔ (۲) نوجوانی۔ (۳) جوانی۔ (۴) بڑھاپا۔ (۵) ناکارہ عمر۔

## زندگی کا پہلا دَور (بچپن):

زندگی کا پہلا دَور پیدائش کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور بالغ ہونے تک رہتا ہے۔ اسے "عہدِ طفلی" یا "بچپن کا زمانہ" کہا جاتا ہے، یہ بڑی بے فکری اور آزادی کا دَور مانا جاتا ہے، اسی دَور کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:

درد، طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے — شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے
تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر — وہ پھٹے بادل میں بے آواز پا اس کا سفر

اس دَور میں خالق کائنات جل شانہ کی طرف سے انسان پر کوئی لازمی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے، وہ ازروے شرع غیر مکلف ہوتا ہے، نماز، روزہ، حج، زکات وغیرہ احکام شرع اس پر عائد نہیں ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ۔ [۱]

ترجمہ:

تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے:

(۱) سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے۔ (۲) بچہ سے یہاں تک وہ بالغ ہوجائے۔ (۳) مجنون سے یہاں تک کہ وہ عاقل ہوجائے۔ (اس کا جنون جاتا رہے۔) اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ انسان بالغ کب ہوتا ہے۔ تو اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، مگر ہمارے فقہاے کرام کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ لڑکا بارہ سے پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوجاتا ہے، چنانچہ "بہار شریعت" میں ہے:

"لڑکے کے بلوغ کے لیے کم سے کم جو مدت ہے وہ بارہ سال کی ہے، یعنی اگر اس مدت سے قبل وہ اپنے کو بالغ بتائے، اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اور جب پورے پندرہ سال کا ہوگیا تو اب وہ بالغ ہے، بلوغ کی علامتیں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں"۔ [۲]

## زندگی کا دوسرا دَور (نوجوانی):

زندگی کا دوسرا دَور بالغ ہونے کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور قریب تیس سال کی عمر ہونے تک رہتا ہے، اسے "نوجوانی" کا دَور کہا جاتا ہے، اس میں انسان کے اندر بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، وہ ذہنی وفکری اعتبار سے ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے، علوم ومعارف کے بحر ناپید اکنار میں غوطہ زن ہوتا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق معلومات کا خزانہ جمع کرتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًاؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴿۲۲﴾ [یوسف:۲۲:۱۲]

ترجمہ:

اور جب (یوسف) اپنی پوری قوت کو پہنچا، ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب حضرت یوسف علیہ السلام کا شباب اپنی نہایت پر آیا اور عمر شریف بقول ضحاک بیس سال کی اور بقول سدی تیس کی اور بقول کلبی اٹھارہ اور تیس کے درمیان ہوئی۔[۳]

اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ نوجوانی کا دَور تیس سال کی عمر تک ہوتا ہے؛ اس لیے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا شباب اپنی انتہا کو پہنچا اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس سال تھی۔

نوجوانی کا دَور انسان کی زندگی کا اہم ترین دَور ہوتا ہے، اس دَور میں نوجوان جو چاہے کر سکتا ہے، کیوں کہ اس کے عزم و حوصلہ میں جان ہوتی ہے اور قوت و استعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس کے اندر کچھ نمایاں کام کرنے کا جذبہ موجزن ہوتا ہے اور وہ ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کرنے اور مشکلات سے نمٹنے کے لیے تیار نظر آتا ہے؛ اسی لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عزم و حوصلہ، قوت و استعداد، جفاکشی و بلند پروازی کا دوسرا نام "نوجوانی" ہے۔ اور ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
تغیر آگیا ایسا تدبر میں، تخیل میں
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

یقیناً جو انسان اس دَور میں راہ راست پر گامزن ہوتا ہے اور شریعت کے مطابق اپنے اعمال و افعال انجام دیتا ہے وہ زندگی کے ہر دَور اور ہر میدان میں کامیابیوں سے ہم کنار رہتا ہے اور جو شخص زندگی کے اس دَور میں بے راہ ہو جاتا ہے اسے عمر بھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

نوجوان سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم، عمدہ ملازمت، بہتر روزگار اور خوب صورت مستقبل کی فکر میں رہتا ہے، مستقبل کو روشن اور یقینی بنانا اس کے نزدیک بہت اہم ہوتا ہے، اپنا گھر بسانا اور ہمت و حوصلے کے مطابق علمی سرگرمیاں انجام دینا بھی اس کے لیے بہت اہم ہوتا ہے، شادمانی و ہیجانی کیفیت کا بھی وہ دل دادہ ہوتا ہے۔ انسان کے اندر پائی جانے والی جمالیاتی حس نوجوان میں زیادہ قوی ہوتی ہے، انسانی جذبات و احساسات بھی نوجوان کے اندر زیادہ قوی ہوتے ہیں اور ان ہی سب وجوہات کے پیش نظر اس کے بہکنے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

## زندگی کا تیسرا دَور (جوانی):

زندگی کا تیسرا دَور نوجوانی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قریب پچاس سال کی عمر تک باقی رہتا ہے، اسے "جوانی" کا دَور کہا جاتا ہے، اس میں انسان کے اندر بڑی حد تک سنجیدگی آجاتی ہے اور فطری جوش و جذبات تقریباً سرد پڑ جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے ہے: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًاؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۴﴾ [القصص:۱۴:۲۸]

ترجمہ:

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا (عمر شریف تیس سال سے زیادہ ہو گئی) ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

اس سے زندگی کے تیسرے دَور یعنی جوانی کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیس سال کے بعد کا زمانہ ہے۔ یہ دَور نیک اور شریف طبیعت لوگوں کے لیے بڑا پرسکون اور اطمینان بخش ہوتا ہے، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں
جب بڑھاپا آگیا پھر بات کچھ بنتی نہیں

## زندگی کا چوتھا دَور (بڑھاپا):

زندگی کا چوتھا دَور "جوانی" ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قریب ستر سال کی عمر تک رہتا ہے، اسے "بڑھاپا" کہا جاتا ہے۔ اس دَور میں انسان کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ بہت سارے امور انجام دینے سے عاجز ہو جاتا ہے، یہ عام زندگی کا آخری دَور ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

أعمار أمتي ما بين ستين إلى سبعين وأقلهم من يجوز ذلك۔[۴]

ترجمہ: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر برس کے درمیان ہیں، ان میں کم ہی ایسے ہیں جو اس سے زیادہ زندہ رہیں گے۔

قرآن کریم میں انسانی زندگی کے اس دَور کا ذکر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے اس طرح کیا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾[بنی اسرائیل؛۲۴،۲۳:۱۷]

ترجمہ:

اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پُوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ”ہُوں“ نہ کہنا اور انھیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا۔

## زندگی کا پانچواں دَور (ناکارہ عمر):

زندگی کا پانچواں دَور بڑھاپا ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور تا مرگ رہتا ہے۔ اسے ”ارذل عمر/ناکارہ عمر“ کہا جاتا ہے۔ اس عمر میں انسان کے حواس بجا نہیں رہتے اور وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ قرآن کریم میں انسانی زندگی کے مختلف ادوار کے ساتھ اس ناکارہ عمر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ۔[الحج؛۲۲]

ترجمہ:

اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک (وقتِ ولادت تک) پھر تمھیں نکالتے ہیں بچہ، پھر (تمھیں عمر دیتے ہیں) اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو (اور تمھاری عقل و قوت کامل ہو) اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے (اور اس کو اتنا بڑھاپا آجاتا ہے کہ عقل و حواس بجا نہیں رہتے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے) کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

اس آیت کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حیاتِ انسانی کے تین ادوار یعنی بچپن، جوانی اور ناکارہ عمر کا تذکرہ صراحتاً ہے اور باقی دو یعنی ”نوجوانی اور“ بڑھاپا“ کا ذکر ضمناً کیا گیا ہے۔

## نوجوانوں کی اہمیت:

کسی بھی قوم یا ملک کے ارتقا و انحطاط اور کامیابی و ناکامی میں اس کے نوجوانوں کا کردار و عمل بہت اہم اور بنیادی ہوتا ہے۔ ہر انقلاب خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، اقتصادی ہو یا مذہبی، تہذیبی و ثقافتی ہو یا فکری و سائنسی، ملکی سطح کا ہو یا عالمی پیمانہ کا، ہر ایک میں نوجوانوں کا کردار نہایت ہی اہم اور کلیدی ہوتا ہے؛ اس لیے کسی بھی میدان میں نوجوانوں کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

## ماضی میں مسلم نوجوانوں کے کارنامے:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ زندگی کے اسی دَور (نوجوانی) میں مسلمانوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا آج بھی قاصر ہے۔ میں بطورِ نمونہ چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

(۱) فاتح سندھ محمد بن قاسم ثقفی کو کون نہیں جانتا، وہ ۷۲ ہجری میں شہر طائف کے اندر پیدا ہوئے، بصرہ میں تعلیم و تربیت پائی، واسط میں عسکری ٹریننگ حاصل کی اور اپنی محنت و لگن سے صرف ۱۷ سال کی عمر میں فوجی کمانڈر کی حیثیت سے سامنے آگئے اور جب سندھ کے لوگوں نے دیبل کی بندرگاہ پر مسلمانوں کا ایک جہاز لوٹ لیا اور وہاں کے راجا نے اس قافلہ میں شامل یتیم بچوں، بیوہ عورتوں اور مسلم جوانوں کو جیل میں بند کر دیا تو انھیں آزاد کرانے کے لیے حجاج بن یوسف نے ۹۰ھ میں محمد بن قاسم جیسے ۱۸ رسالہ نوجوان کمانڈر کی قیادت میں ایک لشکر سندھ کی طرف روانہ کیا، اللہ کے فضل و کرم اور اپنی

عسکری صلاحیت وقابلیت سے اس نوجوان کمانڈر نے دو سال کی مدت میں سندھ کے بہت سے علاقے فتح کر لیے اور آخر میں سندھ کے راجا داہر کی قیادت میں لڑنے والی سندھی فوج سے فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں راجا داہر مارا گیا اور محمد بن قاسم سندھ کے فاتح بن گئے۔

(۲) علمی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، بریلوی قدس سرہ ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴/جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف، یوپی میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان سے علوم مروجہ کی تحصیل کی اور ۱۴/شعبان ۱۲۸۶ھ کو قریب چودہ سال کی عمر میں مسند تدریس وافتا کو زینت بخشی، اور تیرھویں صدی کے اواخر تک السعی المشکور (علم کلام)، ضوء النہایۃ (علم کلام)، اعتقاد الاحباب (عقائد) حسن البراعۃ (فقہ)، سلطنۃ المصطفیٰ (فضائل)، نفی الفی (فضائل)، انفس الفکر (رد ہنود)، مطلع القمرین (رد روافض)، اقامۃ القیامۃ (رد وہابیہ)، وغیرہ جیسی دینی و علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۲۳/سال کی عمر میں جب آپ حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو حضرت سید احمد بن زین بن دحلان مفتی شافعیہ اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ ودیگر اکابر وشیوخ نے آپ کو تفسیر وحدیث اور فقہ واصول فقہ وغیرہ کی سندوں سے نوازا۔

اور شیخ حسین بن صالح کے ایما پر ان کے ایک وقیع رسالہ کی نہایت جامع ومانع شرح صرف دو دن میں لکھ کر اس کا نام "النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ" (۱۲۹۵ھ) رکھا، جسے علماے حجاز نے بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

اسی دَورِ شباب میں آپ کے علم وفضل کا شہرہ سرزمین ہند سے لے کر ارض حجاز تک پہنچ چکا تھا اور مشاہیر علماے اسلام بھی اپنے معاملات اور مذہبی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔

(۳) اسی طرح مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان قدس سرہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ / ۷/جولائی ۱۸۹۳ء، جمعہ کے روز اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے والد ماجد کی سرپرستی میں تمام مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، پھر ایک مفتی کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دینا شروع کیا۔

۱۳۲۸ھ میں مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب "تحذیر الناس" کے رد میں ایک کتاب بنام "اشد العذاب علی عابد الخناس" تصنیف فرمائی اور ۱۳۳۰ھ میں "وقعات السنان" تصنیف فرمائی جس میں مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب "بسط البنان" پر بھرپور تنقید کی اور ان سے ۱۳۲/سوالات کیے جن کے جوابات سے وہ پوری زندگی عاجز رہے۔

اس طرح سے آپ نے اپنی زندگی کے اس مبارک دَور (نوجوانی) میں ہی ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں اور باطل افکار ونظریات کا رد کرتے ہوئے امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

## مسلم نوجوانوں کے لیے سرمایۂ افتخار:

ہم مسلمانوں کے لیے کتنی مسرت وشادمانی اور فخر وسرور کی بات ہے کہ خالق کائنات جل شانہ نے خود ہمارا نام مسلمان رکھا، ہمیں عزت وکرامت بخشی، اپنے احکام بتائے اور قرآن کریم میں ان سب کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ [الحج:۷۸:۲۲]

ترجمہ:

اللہ نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمھارا نگہبان وگواہ ہو (روزِ قیامت کہ تمھارے پاس خدا کا پیام پہنچا دیا) اور تم اور لوگوں پر گواہی دو (کہ انھیں ان رسولوں نے احکام خداوندی پہنچا دیے) تو نماز برپا رکھو (اس پر مداومت کرو) اور زکات دو اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو (اس کے دین پر قائم رہو) وہ تمھارا مولیٰ ہے، تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

اور ہم سب پر خداے وحدہ لاشریک کا کرم بالاے کرم یہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوب مصطفیٰ جانِ رحمت عالم ﷺ کی امت میں شامل فرمایا جو "خیر امت" کے لقب سے سرفراز ہے، چنان چہ ارشاد رب العالمین ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ [آل عمران:۳:۱۱۰]

ترجمہ:

(اے امت محمد!ﷺ) تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسانوں میں کام یاب وکامراں وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل ایمان رکھتے ہیں، خود نیک عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان کامل وعمل صالح کی تلقین کرتے ہیں اور دین کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں اور مشقتوں پر صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا بیان قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ [العصر:۱۰۳]

ترجمہ:

اس زمانۂ محبوب کی قسم، بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے، مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

کتبِ تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان اس نسخہ کیمیا پر عمل کرتے رہے، رفعت وبلندی ان کا نصیبہ اور جہاں گیری وجہاں بانی ان کا مقدر رہی، مگر جیسے ہی مسلمانوں کی نئی نسل نے اپنے آباواجداد کی مومنانہ شان وشوکت اور مجاہدانہ کردار وعمل سے روگردانی شروع کی، ان کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ گیا، ہر محاذ پر انھیں ذلت ورسوائی اور ہزیمت وپسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر حکومت واقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شاید ان ہی حقائق کی طرف توجہ دلانے کے لیے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے مسلم نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاوں میں تاجِ سردارا

## دَورِ حاضر کے مسلم نوجوانوں کا حال:

دَورِ حاضر کے مسلم نوجوانوں کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے غافل اور ناآشنا ہیں، اس کی وجہ سے ان کے ذہن وفکر میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ ہمارا مذہب موجودہ زمانہ کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت و استعداد نہیں رکھتا، ہم مذہب کی پابندی کر کے کبھی ترقی نہیں کر سکتے، اگر ہمیں دنیاوالوں کے شانہ بشانہ چلنا ہے تو اسلامی احکام کی پابندیوں سے آزاد ہونا پڑے گا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مذہب ایک انقلاب آفریں مذہب ہے، اس کے اندر ہر دَور اور ہر زمانہ کے تمام چیلینجز کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، یہ مذہب اللہ جل شانہ کا پسندیدہ اور ہمہ گیر مذہب ہے، اس مذہب کے دامن میں جہاں اپنے خالق ومالک کی عبادت کرنے کے اصول وضابطے ہیں وہیں سیاسی وسماجی معاملات ومسائل کو سلجھانے کی بہتر تعلیم وتربیت بھی ہے، اسلامی تعلیمات میں جہاں اخلاق وکردار کے آراستہ کرنے کی ترغیب وتلقین کی گئی ہے وہیں اقتصادی اور معاشرتی نظام کو بہتر طریقے پر جاری رکھنے کے رہنما اصول بھی بیان کیے گئے ہیں، اس میں جہاں حلال وحرام کے درمیان امتیاز کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے والے مسلمان ہر دَور میں کام یاب وکامراں رہے اور آج بھی نوجوان مذہبِ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو کر ہی حقیقی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

آج مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور ان کے انحطاط وتنزلی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ دَورِ حاضر کے مسلم نوجوانوں کا کردار وعمل اور ان کی فکر ونظر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور جب کسی قوم کے نوجوان ہی راہ راست سے بھٹک جائیں تو پھر باقی قوم سے منزل تک پہنچنے کی امید فضول ہوتی ہے۔

موجودہ وقت میں آپ حالات کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ ہمارے اکثر نوجوانوں کی جیب میں موبائل اور کان میں ایرفون ہوتا ہے، نماز تو جانے دیں، انھیں اذان سننے اور سن کر جواب دینے کی بھی فرصت نہیں ہوتی ہے، جب کہ نماز مومن کی معراج اور اسلام وکفر کے درمیان حدِ فاصل ہے، اسی طرح ہمارے بہت سے نوجوان مالک نصاب ہونے کے باوجود موافق شرع زکات ادا نہیں کرتے ہیں، اور قربانی کا موقع آتا ہے تو اس سے بھی دور نظر آتے

ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ گھر میں ایک آدمی کے نام سے قربانی ہوگئی تو وہ سب کے لیے کافی ہے، بہت سے نوجوان تو بڑی بے باکی سے جھوٹ بھی بولتے ہیں، شراب پیتے ہیں، بدکاری میں مبتلا ہوتے ہیں، والدین کے حقوق پامال کرتے ہیں، انھیں ایذا پہنچاتے ہیں، اور اس وقت تو نیٹ کے منفی استعمال نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے، کہ نوجوان گھر میں رہنے کے باوجود اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز و اقارب سے بہت دور ہوگیا ہے۔

آج کے نوجوانوں نے جسم کے ظاہری حسن و جمال پر اپنی ساری توجہ مبذول کر رکھی ہے، اسے آراستہ کرنے اور اس کی بیماریوں کے ازالے کے لیے ہر طرح کوشاں نظر آتے ہیں، مگر روح کی بیماریوں سے نگاہیں پھیر لی ہیں اور اسے دور کرنے کے بارے میں انھیں سوچنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔

## نوجوانوں کی زندگی کا مقصد:

دورِ حاضر میں جب نوجوانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد کیا ہے، تو ان کے پاس اس سوال کا کوئی معقول جواب نہیں ہوتا ہے، نوجوانوں میں جو عصری تعلیم یافتہ ہیں ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی عیش کرنے کے لیے ہے، یہاں خوب پیسے کماؤ، اچھا اچھا کھاؤ، پہنو اور جی بھر کر دادِ عیش دو؛ کیوں کہ مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں آنا نصیب نہیں ہوگا۔

ان افکار و نظریات کے خلاف اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں زندگی کا مقصد کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا اور عیش کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد تو اپنے خالق و مالک کی عبادت و اطاعت اور نیک عمل کرنا ہے۔ چنان چہ اس حوالہ سے اللہ جل شانہ کا بہت واضح ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ [الذاریات:۵۶:۵۱]

ترجمہ:

اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اور نیک عمل کے تعلق سے قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ [الملک:۲:۶۷]

ترجمہ:

وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمھاری جانچ ہو (دنیا کی زندگی میں) تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے (یعنی کون زیادہ مطیع و مخلص ہے) اور وہی عزّت والا، بخشش والا ہے۔

اور دوسری جگہ کامیاب لوگوں کے اوصاف کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ [المومنون:۲۳، آیت:۱ تا ۱۱]

ترجمہ:

بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکات دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں، یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یوں ہی زندگی کی غرض و غایت اور اس کی کامیابی سے متعلق احادیث کریمہ میں بھی خوب واضح ارشادات موجود ہیں، چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیهَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُونَ. أَلَا! فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ. [۵]

ترجمہ:

یقینا دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے، اور اللہ جل شانہ نے تمھیں اس میں خلیفہ مقرر کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم دنیا میں کیسا عمل کرتے ہو۔خبردار !تم دنیا میں مشغول ہونے سے بچو، تم عورتوں سے بچو۔

اور اسی کتاب میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ۔[٦]

ترجمہ:

عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیا، اور عاجز وہ ہے جس نے اپنی خواہش نفس کی اتباع کی اور اللہ جل شانہ سے امیدیں رکھیں۔

## نوجوانوں کی تعلیم کا مقصد:

دورِ حاضر میں نوجوانوں کی تعلیم کا مقصد صرف اور صرف عہدہ ومنصب کا حصول ،شہرت وناموری اور مال و دولت جمع کرنا ہوگیا ہے ۔اس دور میں تقریبا ہر نوجوان ان ہی چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہوا نظر آتا ہے، آج نوجوانوں پر جدید سائنس، ترقی یافتہ ٹیکنالوجی اور مادہ پرستی کا ایسا بھوت سوار ہوگیا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دھن میں اس قدر مدہوش ہوچکا ہے کہ اسے اپنے دائیں بائیں اور پیچھے والوں کی طرف دیکھنے کا خیال تک نہیں آتا اور ہر کوئی اپنے دنیاوی مستقبل کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے دن رات ایک کردیتا ہے، مگر سماج میں رہنے والے دوسرے افراد، بلکہ اپنے عزیز واقارب اور بغل میں رہنے والے ہمسایے سے بھی بے گانہ ہوتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾[النساء:٣٦:٤]

ترجمہ:

اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ سے بھلائی کرو، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسایے اور دور کے ہمسایے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے، بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔

آج کا نوجوان عصری تعلیم کے ذریعہ چاند پر کمندیں ڈالنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے، لیکن دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مقصد وجود سے ناآشنا ہوتا ہے، وہ اہل دنیا کی نگاہ میں قابل ذکر اسناد کا حامل ہوتا ہے، لیکن اہل حق کی نظر میں خود غرض اور مطلب پرست ہوتا ہے، اس کے اندر دوسروں کی امداد واعانت کا جذبہ اور اپنے بھائیوں کے لیے نصرت وحمایت کا ذوق وشوق نہیں ہوتا، جب کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾[المائدۃ:٢:٥]

ترجمہ:

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ۔[٧]

ترجمہ:

اور اللہ جل شانہ بندہ کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کو مستقبل کے بارے میں غور وفکر کرنے اور اسے روشن وتابناک بنانے سے منع نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ تو مسلمانوں کو اپنا مستقبل خوب سے خوب تر بنانے کی تلقین وتاکید کرتا ہے۔ہاں! اتنا ضرور ہے کہ اسلام اپنے دامن میں پناہ لینے والوں کو ہر کام میں اصول اور ضابطے کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اپنا مستقبل بہتر بنانے میں دوسروں کے حقوق پامال ہوں اور انسان حسن عمل سے عاری ہوجائے۔قرآن کریم میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾
[الجمعہ:۹،۱۰:۶۲]

ترجمہ:

اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو، پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

ان آیات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنا مستقبل خوب سے خوب تر بنانے کا حکم دیا اور اس کے طریقے بھی بیان فرمائے تاکہ اس کے بندے سعادت دارین سے ہم کنار ہوں۔

اسی طرح اللہ جل شانہ نے حضرت لقمان کا قول نقل کیا کہ انھوں نے اپنے نورِ نظر کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ [لقمان:۱۷،۱۸،۱۹:۳۱]

ترجمہ:

اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اِتراتا نہ چل، بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا، فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بیشک سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی۔

## مذہب سے دوری کے مضر اثرات:

مذہب سے دوری کے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ انھیں چند صفحات میں بیان ہی نہیں کیا جاسکتا، آپ مختصر انداز میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ آج مسلم سماج اور معاشرہ میں جتنی بھی برائیاں پائی جارہی ہیں وہ سب مذہب سے دوری کے مضر اثرات اور اسلامی تعلیمات سے بے اعتنائی کے ثمرات ہی ہیں۔

یہاں بطورِ مثال چند امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

## سودی لین دین کا رواج:

آج ہمارے نوجوانوں میں سود کا لین دین فروغ پا رہا ہے جو شرع کی نظر میں حرام ہے، قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔[البقرۃ:۲:۲۷۵]

ترجمہ:

اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدرالافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”سود کو حرام فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں بعض ان میں سے یہ ہیں کہ: سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل وعوض کے لینا ہے، یہ صریح ناانصافی ہے۔

دوم: سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے کہ سود خوار کو بے محنت مال کا حاصل ہونا تجارت کی مشقتوں اور خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارتوں کی کمی انسانی معاشرت کو ضرر پہنچاتی ہے۔

سوم: سود کے رواج سے باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرض حسن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا۔

چہارم: سود سے انسان کی طبیعت میں درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہوتی ہے اور سود خور اپنے مدیون کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی سود میں اور بڑے بڑے نقصان ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت ہے۔“[۸]

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: ھم سواء۔[۹]

اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔ اور فرمایا: وہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

ہمارے نادان یا عصری تعلیم یافتہ بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے انسان ترقی کرتا ہے اور اس کی کاروباری حالت سدھرتی ہے، ان کا یہ خیال خام ہے، کیوں کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، وہ ترقی کیسے کرسکتا ہے اور جس مال کو اللہ جل شانہ برباد کرے وہ کیوں کر بڑھ سکتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ۔[البقرہ:۲۷۶:۲]

ترجمہ:

اللہ ہلاک کرتا ہے سُود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من أکل درھما من ربا فھو مثل ثلاث و ثلاثین زنیۃ، ومن نبت لحمہ من السحت فالنار أولیٰ بہ۔[۱۰]

ترجمہ:

سود کا ایک درہم کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے، اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے۔

ان آیات واحادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ شریعت کے ایک حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے سماج اور معاشرہ میں کتنی برائیاں پیدا ہو رہی ہیں، مثلاً: ناانصافی کا رواج، تجارت کی خرابی و بربادی، انسانی معاشرت کا ضرر، باہمی اخوت ومحبت کا خاتمہ، درندوں جیسی بے رحمی، اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا استحقاق، سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی ناراضی اور دین ودنیا کی تباہی وبربادی وغیرہ۔

اس لیے اگر آپ قرآن وحدیث پر پختہ ایمان رکھتے ہیں تو یقین جانیے کہ سود کا انجام تباہی وبربادی ہی ہے۔ اور بالفرض کچھ دنوں کے لیے ظاہری نگاہ میں مال بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

## بے حیائی اور برائی میں اضافہ:

آج ہمارے مسلم سماج اور معاشرہ میں عموماً اور نوجوانوں میں خصوصاً بے حیائیاں اور برائیاں بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہیں، حد تو یہ ہے کہ بہت سے نوجوانوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ یہ کام برا ہے اور شریعت میں اس سے ممانعت وارد ہے۔ مثلاً چلتے پھرتے غیر محرم دوشیزاؤں کو تکنا اور ان سے ناروا سلوک کرنا، انٹرنیٹ کا منفی استعمال کرتے ہوئے فحش گانے سننا، عریاں تصویریں اور ویڈیو دیکھنا، باہم گالی گلوج کرنا، کسی کی غیبت کرنا یا سننا اور اس طرح کے دوسرے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرنا عام ہوگیا ہے۔

اس کی وجہ بھی مذہب سے دوری ہی ہے، اگر انسان کے اندر مذہبیت آجائے اور وہ اہم الفرائض یعنی نماز کا پابند ہوجائے جو اسلام وکفر کے درمیان حد فاصل ہے، تو یہ ساری برائیاں خود بخود ختم ہوجائیں گی؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ۔[العنکبوت:۴۵:۲۹]

ترجمہ:

بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔

اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص جس قدر نمازوں کا پابند ہوگا اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اچھی طرح سے نماز ادا کرے گا وہ اسی قدر بے حیائیوں اور برائیوں سے محفوظ ومامون ہوگا۔ صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان سید عالم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا اور بہت سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا تھا، حضور سے اس کی شکایت کی گئی، فرمایا: اس کی نماز کسی روز اس کو ان باتوں سے روک دے گی۔ چنان چہ بہت ہی قریب زمانہ میں اس نے توبہ کی اور اس کا حال بہتر ہو

گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی نماز اس کو بے حیائی اور ممنوعات سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں۔[۱۱]

## چوری اور ڈاکہ زنی کے واقعات:

دَور حاضر میں جدید مصنوعات کے ذریعہ اگر ایک طرف انسانوں کے لیے بہت سی آسانیاں فراہم ہوئی ہیں تو دوسری طرف ڈھیر ساری برائیاں بھی رونما ہو چکی ہیں، پہلے زمانہ میں چوری کرنے والے لوگ عموماً اَن پڑھ اور گنوار ہوا کرتے تھے، وہ رات کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے، سردیوں کی شدت برداشت کرتے اور مکینوں کے سونے کا انتظار کرتے، پھر کہیں وہ چوری جیسا ناپسندیدہ عمل انجام دے پاتے، مگر آج چوری کرنے والے عموماً اعلیٰ عصری تعلیم یافتہ اور ماہر انجینئر ہوتے ہیں، وہ رات کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بجائے دن کے اجالے میں اپنے گھروں میں بیٹھ کر دوسروں کا اکاؤنٹ خالی کر دیا کرتے ہیں۔

پہلے ڈاکہ ڈالنے والے بہت بہادر، جفاکش اور منظم ہوا کرتے تھے، مگر اب وہ سفید پوش، اعلیٰ منصب پر فائز یا جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوتے ہیں اور وہیں سے بڑے بڑے ڈاکے ڈالتے ہیں۔

اس طرح لٹنے والوں میں ایک بڑی تعداد مسلم نوجوانوں کی ہوتی ہے اور لوٹنے والوں میں بھی بعض مسلم نوجوانوں کے نام سامنے آجاتے ہیں۔ آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی وجہ بھی مسلم نوجوانوں کا مذہب سے دوری بنانا ہی ہے۔ مذہب اسلام نے فریضۂ زکات کے ذریعہ جہاں فقرا و مساکین کے کھانے، پینے اور پہننے، اوڑھنے کا انتظام کیا ہے، وہیں زکات دینے والوں کے مال و دولت کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ چنان چہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ والرضوان سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاسْتَقْبِلُوا اَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ". رواہ أبو داؤد فی المراسیل۔[۱۲]

ترجمہ:

زکات دے کر اپنے اموال مضبوط قلعے میں محفوظ کر لو اور صدقہ و خیرات سے اپنے بیماروں کا علاج کرو اور خدا کی بارگاہ میں دعا اور گڑگڑانے سے ہر قسم کی بلاؤں کا استقبال کرو۔

اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا تَلِفَ مَالٌ فِيْ بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ إِلَّا بِحَبْسِ الزَّكَاةِ" رواہ الطبرانی فی الأوسط۔"[۱۳]

ترجمہ:

خشکی اور تری میں جو مال بھی برباد ہوا وہ زکات نہ دینے ہی کی وجہ سے برباد ہوا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر مسلم نوجوان حکم شرع کے مطابق اپنے مال کی زکات ادا کر دیں تو وہ کسی کے جھانسے میں نہیں آئیں گے اور ان کا مال لٹنے سے محفوظ رہے گا۔ یوں ہی اگر انھیں یہ بات سمجھ میں آجائے کہ چوری اور راہ زنی کے ذریعہ جو مال ہاتھ آتا ہے، اسے استعمال کرنا ناجائز و گناہ ہے اور اس مال حرام سے جو گوشت تیار ہوگا، جہنم کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے تو وہ کبھی چوری نہیں کریں گے اور اس طرح مسلم سماج و معاشرہ سے چوری و راہ زنی کا خاتمہ ہو جائے گا، نہ یہ خود لٹیں گے اور نہ ہی انھیں دوسروں کو لوٹنے کی فکر ہوگی۔

## ذہنی بے سکونی اور نفسیاتی امراض:

آج ہمارے نوجوان مختلف انداز میں اپنی بے چینی و بے قراری کا اظہار کرتے ہیں اور نفسیانی امراض سے شفایاب ہونے کا نسخہ دریافت کرتے ہیں، کوئی اپنی کمائی میں بے برکتی کا رونا روتا ہے، تو کوئی اپنی بیوی یا اولاد سے نالاں ہوتا ہے، کسی کو اپنے پڑوسی سے شکایت ہوتی ہے، تو کسی کو اپنے ہم منصبوں سے حسد اور جلن کا شکوہ ہوتا ہے، الغرض انھیں کسی طرح سکون و قرار نہیں ملتا اور اس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آپ غور فرمائیں تو اس کی وجہ بھی مذہب سے دوری اور احکام شرع سے بے اعتنائی ہی معلوم ہوگی، کیوں کہ آج ہمارے نوجوانوں میں یادِ الٰہی سے غفلت مجرمانہ حد تک بڑھ چکی ہے اور اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر صبر و شکر کا مادہ تقریباً ختم ہو چکا ہے، انھوں نے مادی چیزوں کو ہی سکون و قرار کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، جب کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾[النور ۱۳:۲۸]

ترجمہ:

سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

یعنی اس کے رحم وکرم اور اس کے فضل واحسان کو یاد کر کے بے قرار دلوں کو قرار واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اور قرآن کریم ہی میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ [ابراہیم:۷؛۱۴]

ترجمہ:

اور یاد کرو جب تمھارے رب نے سنا دیا کہ اگر احسان مانوگے تو میں تمھیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔

کسی شاعر نے اسی مفہوم کو یوں نظم کیا ہے:

نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے — دلوں کو چین ملتا ہے خدا کو یاد کرنے سے

اسی طرح زناکاری وعصمت دری کے بڑھتے واقعات وحقائق، فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی وبے رغبتی، تمام معاملات میں رشوت خوری کی گرم بازاری، وعدہ خلافی وفریب دہی، شراب نوشی وجوابازی، اخلاقی بے راہ روی وعدم رواداری، نام ونمود اور فضول خرچی میں مقابلہ آرائی، بڑوں کی تعظیم وتکریم سے انحراف اور چھوٹوں پر شفقت ومحبت کا فقدان وغیرہ بھی مذہب سے دوری کا نتیجہ اور مغربی تہذیب وتمدن اپنانے کا ہی ثمرہ ہے۔ سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے:

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ — خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ
ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی — خراب کر گئی شاہیں بچوں کو صحبت زاغ
حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی — خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

## مذہب سے دوری کے اسباب:

اب ان حالات میں ہمیں مل بیٹھ کر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلم نوجوانوں کی مذہب سے دوری کے اسباب کیا ہیں؟ ان کے دلوں سے احکام شرع کا پاس ولحاظ کیوں اٹھتا جا رہا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ جو نسل ماضی میں دوسروں کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا کرتی تھی آج وہ خود ہی بے راہ ہوتی جا رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی بے راہ روی میں ان کے والدین کی کوتاہیوں کا دخل ہے، یا دورِ حاضر کے اسکول وکالج اور مدارس میں بہتر تعلیم وتربیت کا فقدان اس کا سبب ہے، یا مغربی ثقافتی یلغار کے زیر اثر مسلم نوجوان مذہب سے دور ہو رہے ہیں؟ یا ہمارے طرز تعلیم وتربیت اور طریقۂ تبلیغ وارشاد میں کمی ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو دینی احکام ومسائل سمجھانے اور ان کی حکمت واہمیت بتانے میں ناکام ہیں؟ میرے خیال میں مسلم نوجوانوں کی مذہب سے دوری میں مذکورہ تمام امور کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہے؛ اس لیے اب ہم ان اسباب سے متعلق چند سطریں پیش کرتے ہیں۔

### [۱] اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کی بے اعتنائی:

اسلام نے ماں باپ پر بچوں کی پرورش کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ وہ ان کی بہتر تربیت کریں اور مذہب کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ کامل مسلمان بن سکیں اور مسلم سماج ومعاشرہ کے لیے کارآمد ثابت ہوں، بچپن سے ہی انھیں نماز کی تعلیم وتربیت دیں تاکہ ان کا مزاج دینی ہو اور بالغ ہو جانے کے بعد مناسب وقت پر ان کا نکاح کر دیں تاکہ ان کی عزت وعصمت اور پاک دامنی کی حفاظت ہو سکے، چنان چہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

”مروا صبیانکم بالصلاۃ إذا بلغوا سبعا واضربوھم علیھا إذا بلغوا عشرا وفرقوا بینھم فی المضاجع“۔[۱۴]

ترجمہ:

جب تمھارے بچوں کی عمر سات سال کی ہو جائے تو انھیں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے تو نماز پڑھنے کے لیے ان پر سختی کرو، اور انھیں الگ الگ بستر پر سلاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”فی التوراۃ مکتوب، من بلغت ابنته اثنتی عشرۃ سنة فلم یزوجها فأصابت إثما فإثم ذٰلك علیه“۔[۱۵]

ترجمہ:

توریت میں لکھا ہوا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے اس کی شادی نہیں کی، پھر وہ لڑکی بدکاری میں مبتلا ہو گئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر بھی ہو گا۔

اگر ہم آج بھی ان احادیث پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً ہمارے بچے شروع سے ہی احکام شرع سے باخبر اور دینی معمولات کے پابند ہوں گے اور جب وہ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھیں گے تو اپنے ماں باپ، اہل خانہ، عزیز واقارب، بلکہ پوری قوم مسلم کے لیے بہت مفید اور کار آمد ہوں گے، ان کی طہارت و پاک دامنی اور عزت وعفت کی مثال پیش کی جائے گی اور سماج میں ایک صالح انقلاب محسوس ہو گا۔

موجودہ حالات میں ہمارے نوجوانوں کی مذہب سے دوری میں ماں باپ کی ناقص تعلیم وتربیت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ آپ یقین جانیں کہ جو بچے ماں باپ کی شفقت ومحبت، ان کی رہنمائی اور بہتر تعلیم وتربیت سے محروم رہ جاتے ہیں وہ لازمی طور پر طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی اُلجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک مسلم نوجوان کے لیے اس سے بڑی حرماں نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی دینی شفقت و محبت اور اسلامی تعلیم وتربیت سے محروم رہے، اس کے ماں باپ اسے عمدہ تعلیم وتربیت دینے اور اس کی صحیح رہنمائی کرنے میں کوتاہی یا بے اعتنائی برتیں۔

مگر افسوس! آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہمارے بچوں کا یہی حال ہے کہ ماں ٹی وی کے سامنے بیٹھی ہوئی نئے نئے پروگرام دیکھنے یا سوشل میڈیا پر اپنے عزیز واقارب سے رابطہ رکھنے میں مصروف ہے اور باپ دنیا کی ساری دولت جمع کرنے کے لیے بے چین وبے قرار شہر میں مارا مارا پھر رہا ہے اور کم سن بچہ جسے ہر لمحہ اپنے والدین کی شفقت ومحبت اور ہدایت ورہنمائی کی ضرورت ہے وہ یتیموں کی طرح بے یار ومدد گار اور پریشان ہے۔ آپ غور وفکر کریں تو معلوم ہو گا کہ ایسا بچہ ماں باپ کے زندہ ہوتے ہوئے بھی یتیم ہو جاتا ہے، سچ کہا ہے احمد شوقی نے:

لیس الیتیم من انتهی أبواه من　　　همّ الحیاۃ وخلفاه ذلیلا
إن الیتیم هو الذی تلقی له　　　أمّا تخلت أو أبا مشغولا

ترجمہ: یتیم وہ نہیں ہے جس کے ماں باپ فوت ہو چکے اور اس کو تنہا و بے سہارا چھوڑ گئے، یتیم تو وہ ہے جس کی ماں نے اس کی تربیت سے بے اعتنائی برتی اور باپ اس کی تعلیم سے غافل اپنے کام میں مصروف رہا۔

## [۲] عمدہ نظامِ تعلیم وتربیت کا فقدان:

دورِ حاضر میں نوجوانوں کے اندر تنگ نظری، مادہ پرستی، اخلاقی بے راہ روی اور دیگر بڑھتے ہوئے جرائم کی ایک وجہ عمدہ نظام تعلیم وتربیت کا فقدان بھی ہے، کسی بھی قوم کی تعمیر وترقی اس کے عمدہ اور بہتر نظام تعلیم وتربیت پر منحصر ہوتی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قوم یا ملت کا روشن مستقبل، تابناک نظام تعلیم پر ہی منحصر ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

آج والدین اور سرپرست یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کرے، تا کہ کسی اونچی پوسٹ پر اس کا تقرر ہو اور اس طرح سے وہ دنیا کی عزت، شہرت اور دولت سب جمع کر سکیں، اس کے لیے وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکول اور کالج میں داخل کرتے ہیں جہاں لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم مخلوط ہوتی ہے، ہر طرف آزاد خیالی کا مظاہرہ ہوتا ہے، مذہب کی پابندی کو فرسودہ خیال سمجھا جاتا ہے اور اسلامی احکام کی پابندیوں سے آزاد ہونے کو ترقی کا نام دیا جاتا ہے۔ والدین اور سرپرستوں کی اس فکر کے نتیجے میں بچے عصری تعلیم تو حاصل کر لیتے ہیں اور خود کو بہت ترقی یافتہ تصور کرنے لگتے ہیں، مگر انھیں بہت سی بنیادی باتوں کا علم نہیں ہوتا، مثلاً انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کی مرضی کیا ہے؟ اس نے مجھے اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے؟ وہ ہم سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟ کس کام سے وہ خوش ہوتا ہے اور کس کام سے وہ ناراض ہوتا ہے؟ اس کے برخلاف اگر والدین اور سرپرست اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیں، ان کے لیے اسلامی ماحول فراہم کریں اور اس کے ساتھ انھیں عصری تعلیم دلائیں تو یقیناً وہ بچے جب نوجوان ہوں گے تو مذہب سے دوری اختیار کرنے کے بجائے وہ مذہب سے قریب ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب وتلقین کریں گے۔

اسلام اعلیٰ عصری تعلیم کی تحصیل سے منع نہیں کرتا ہے،لیکن وہ والدین اور سرپرستوں کو اس پہلو پر غور وفکر کرنے کی دعوت ضرور دیتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی ساری لذتیں اور تمام نعمتیں چند دنوں میں ختم ہو جانے والی ہیں۔دنیا کے مکر وفریب اور اس کی رنگینیوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

دنیا کو تو کیا جانے ، یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ　　صورت دیکھو ظالم کی ، تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے ، زہر پلائے ، قاتل ڈائن ، شوہر کش　　اس مردار پہ کیا للچایا ، دنیا دیکھی بھالی ہے

آج کے نوجوان اسلام کے بجائے دوسرے فلسفوں اور ظاہری چمک دمک سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں،جب کہ اخروی زندگی میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے،اس کے برعکس اسلامی تعلیم اور اس کے احکام پر عمل دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی وسرخروئی کا باعث ہے۔
دشمنان اسلام نے خصوصاً مسلم نوجوانوں کو اپنا ہدف بنایا اور اس امر کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے کہ مسلم نوجوانوں کے سینوں میں ایمان ویقین کی جو چنگاری دبی پڑی ہے اسے کسی نہ کسی طرح بجھا دیا جائے اور عرب وعجم ہر جگہ ان کی غیرت دینی وجذبۂ اسلامی کو فنا کر دیا جائے؛اس لیے کہ یہی وہ جذبۂ دروں ہے جو مسلم نوجوانوں کو ہر قسم کی قربانی کے لیے آمادہ کرتا ہے اور انھیں طوفان سے بھڑ جانے کا عزم وحوصلہ دیتا ہے۔
اس کے لیے انھوں نے اسکولوں اور کالجوں میں ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس نے مسلم نوجوانوں کے دل ودماغ سے جذبۂ دینی وفکر اسلامی کو یکسر ختم کر دیا۔دور حاضر کے اسکول وکالج اور دیگر تعلیمی اداروں کی جو حالت زار ہے،اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے،بہت پہلے اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

## [۳] اسلامی تاریخ سے ناواقفیت:

اپنی تہذیب وتاریخ اور علمی وثقافتی میراث سے مانوس وباخبر رہنا ہر قوم کے لیے انتہائی ضروری ہوتا ہے،جو قوم اپنی تہذیب وتاریخ اور علمی وثقافتی میراث سے ناآشنا اور بے خبر ہوتی ہے وہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے یا مٹا دی جاتی ہے۔علامہ بدر القادری صاحب بدرؔ نے اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے قوم مسلم کو مخاطب کیا اور فرمایا:

اے میری قوم! تجھے عظمت رفتہ کی قسم　　تجھ میں احساس کے جذبات شکستہ کی قسم
اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے　　صفحۂ دہر سے وہ خود کو مٹا لیتی ہے

یقیناً اپنی تاریخ سے ناآشنا یا غافل ہو کر کوئی بھی قوم ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ اپنا مستقبل روشن وتابناک بنا سکتی ہے۔اس وقت مسلم نوجوانوں کی مذہب سے دوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں،انھیں اسلامی فتوحات کا کچھ علم نہیں ہے،وہ خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بے مثال تاریخی کارناموں سے بے خبر اور اللہ کے رسول ﷺ کے جانباز صحابہ کے مجاہدانہ کردار سے ناآشنا ہیں۔
انھیں فقہاے صحابہ، مجتہدین کرام، اولیاے کاملین اور مجاہدین اسلام کی سیرت وسوانح کا علم نہیں،انھیں پتہ ہی نہیں ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس کا بنیادی کردار مسلمانوں نے ہی ادا کیا ہے اور انسانی فکر ونظر کی یہ رفعت وبلندی مسلمانوں ہی کی رہین منت ہیں،چناں چہ عہد جدید کے متعدد سرجیکل آلات کی بنیاد دسویں صدی کے مسلم سرجن الزہراوی نے رکھی،ان کے نشتر،قینچیاں اور دیگر دو سو آلات کی اہمیت کو آج کے سرجن بھی تسلیم کرتے ہیں۔
اس کے علاوہ انہوں نے زخموں کو ٹانکے لگانے والا ایسا دھاگا بھی تیار کیا جو قدرتی طور پر جسم سے الگ ہو جاتا تھا۔انھوں نے کیپسول بھی ایجاد کیا۔
اسی طرح تیرہویں صدی میں ایک اور مسلم طبی ماہر ابن نفیس نے دوران خون کی وضاحت کی اور دوسرے مسلم ڈاکٹروں نے افیون اور الکحل کے امتزاج سے ایسی سوئیاں تیار کیں جن سے کسی کو بھی بے ہوش کیا جا سکتا تھا اور یہ تیکنیک آج بھی استعمال ہو رہی ہے۔
اسی طرح دسویں صدی کے مسلم سائنس داں ابن الہیثم نے پہلا پن ہول کیمرہ ایجاد کیا۔اور ۱۷۵۹ء میں انگلینڈ کے اندر ایک مسلم نے شیمپو متعارف کرایا۔اور”کافی“جو آج دنیا کے مقبول ترین مشروبات میں سے ایک ہے،وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ہی ایجاد ہے۔[۱۶]

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم نوجوانوں کی فکر ونظر کارشتہ ان کے ماضی سے جوڑا جائے، ان کے سامنے ان کی تاریخ دہرائی جائے اور ماضی کے مسلم نوجوانوں کے اخلاق وکردار اور مثالی کارناموں کا تذکرہ کیا جائے تاکہ یہ نوجوان احساس کم تری کے حصار سے باہر آئیں اور اپنی فطری صلاحیتوں کے ذریعہ پھر سے وہی کارنامے انجام دے سکیں جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے:

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی     ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا     لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

## [۴] مسلم نوجوانوں پر ثقافتی یلغار:

عصر حاضر میں جدید ٹیکنالوجی کا سہارا مل جانے کی وجہ سے ثقافتی یلغار پہلے سے زیادہ خطرناک ہو چکی ہے، آج نوجوانوں کے قلوب واذہان اور ان کے افکار ونظریات تک رسائی کے سیکڑوں ذرائع اور وسائل موجود ہیں، الکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا ہو یا دیگر ذرائع ابلاغ، ہر ایک میں قسم قسم کے غلط مواد اور نامناسب مناظر پیش کر کے نوجوانوں کے ذہن وفکر میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے ہیں اور فحش معلومات وشہوت انگیز تصاویر شائع کر کے نوجوانوں کو فاحشہ عورتوں کے جال میں پھنسایا جا رہا ہے، اس کی وجہ سے مسلم نوجوان بھی اینڈرائڈ موبائل فون یا دیگر انٹرنیٹ سے جڑے آلات سے چپک کر رہ گیا ہے، جو اوقات حیرت انگیز کارنامے انجام دینے کے تھے آج کا نوجوان ان اوقات میں اپنی دنیا و آخرت دونوں برباد کرنے کا سامان مہیا کرنے میں لگا ہوا ہے اور قیمتی اوقات کی بربادی کے ساتھ اپنی روحانی قوتوں کا بھی خاتمہ کر رہا ہے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ آج اپنے نوجوانوں کو میڈیائی اور ثقافتی یلغار سے بچانے کی بھر کوشش کی جائے اور انھیں انٹرنیٹ کے منفی استعمال سے پیدا ہونے والے نقصانات سے آگاہ کیا جائے اور اس کے مثبت استعمال کے فوائد بتاتے ہوئے اس کی تاکید وتلقین کی جائے۔

## [۵] سماج اور معاشرہ میں بے حیائی کا رواج:

آج جس طرح سے فحاشی وعریانیت اور حیاسوز ذرائع ابلاغ ہر گھر اور خاندان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں اس کی مثال ماضی میں کہیں نظر نہیں آتی ہے، پہلے برائیاں کم تھیں اور مسلم نوجوانوں کے اندر مذہبیت پائی جاتی تھی، مگر اس کے باوجود لڑکیوں کو لکھنے کی تعلیم ممنوع تھی تاکہ کسی جہت سے برائیوں کو فروغ نہ مل سکے۔ اس کے برخلاف آج بے شمار رسائل وجرائد اور اخبارات اپنے اپنے طور سے بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں، انٹرنیٹ پر بے شمار حیاسوز ویب سائٹس موجود ہیں جن تک ہر نوجوان کی رسائی بآسانی ہو جاتی ہے، گھر سے لے کر کالج تک اور کالج سے لے کر بازار تک بے حیائی پر مبنی ماحول کا سامنا ہے، اس کی وجہ سے نوجوانوں کی جنسی خواہشات برانگیختہ ہوتی ہیں اور ان کے اندر خوف، تناؤ، ذہنی اور نفسیاتی پریشانیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں، پھر بھی والدین اور سرپرست حصول دنیا کی خواہش میں مست اپنے نونہالوں کی کما حقہ نگرانی ضروری نہیں سمجھ رہے ہیں اور عصری تعلیم کے ساتھ ان کے لیے دینی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں کر رہے ہیں، اور بعض لوگ جو کچھ انتظام کرتے بھی ہیں تو وہ بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے، اسی بچہ کو عصری تعلیم دینے والا ماسٹر آتا ہے تو اس کے لیے خطیر رقم صرف کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں، مگر جب اسی بچہ کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے والا مولوی آتا ہے تو اس کے لیے بہت کم خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی تنگ دستی وپریشاں حالی کا شکوہ بھی کرتے ہیں، اس طرز عمل سے اس نونہال کے دل میں دنیا کی محبت اور عصری تعلیم کی اہمیت جاگزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی مذہب سے دوری اور دینی تعلیم کی ناقدری کا جذبہ فروغ پانے لگتا ہے اور ماڈرن والدین اور سرپرستوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے:

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا     کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

## [۶] خشک طرزِ تعلیم اور غیر موثر طریقۂ تبلیغ:

ان تمام امور کے ساتھ ایک بڑی تلخ حقیقت اور حیرت انگیز سچائی یہ بھی ہے کہ ہمارا خشک طرزِ تعلیم اور غیر موثر طریقۂ تبلیغ وارشاد مسلم نوجوانوں کو کما حقہ مطمئن نہیں کر پا رہا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مذہب سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں، مثلاً آج کا نوجوان چاہتا ہے کہ اپنے دینی احکام ومسائل کو عقل ومنطق اور دلیل واستدلال کی روشنی میں سمجھے، اور یہ چیز شاید پہلے بھی تھی اسی لیے تو ہمارے بہت سے فقہائے کرام نے اپنی تصنیفات وتالیفات

میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ پہلے کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کو واضح کیا، پھر عقل سے قریب کرنے کے لیے اس کی حکمت اور عقلی دلیل بھی پیش فرمائی تاکہ طالب علم خوب اچھی طرح مطمئن ہو جائے۔

عصری دانش گاہوں میں تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، جو ان طلبہ کے لیے فہم مسائل میں معاون اور رغبت کا باعث ہوتا ہے، اس کے برعکس ہماری درس گاہوں یا جلسہ گاہوں میں آج بھی عموماً تعلیم یا تقریر کے ساتھ تربیت کا کوئی تصور نہیں ہے، کون نہیں جانتا ہے کہ حج کے احکام و مسائل تعلیم سے زیادہ تربیت کے متقاضی ہیں، مگر صدیوں سے ہمارے یہاں اس کا کوئی معقول انتظام نہیں ہو سکا اور ہم عالم تصور میں ہی اپنے طلبہ اور سامعین کے ساتھ احرام باندھے ہوئے منیٰ، عرفات، مزدلفہ ہوتے ہوئے رمی جمار سے فارغ ہو کر قربانی کر لیتے ہیں اور پھر مسجد حرام پہنچ کر خانۂ کعبہ کے گرد سات پھیرے طواف زیارت کر کے اپنے حج کا سبق اور خطاب مکمل کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ہم بہت سے احکام شرع بیان کرتے ہیں اور جب ہم سے ان کی حکمت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو ہم اسے واضح کرنے یا اپنی کم علمی کا اعتراف کرنے کے بجاے سائل کو ہی جھڑک دیتے ہیں اور اسے شریعت پر اعتراض کرنے والا کہہ کر ٹال دیتے ہیں، نہ خود مطمئن ہوتے ہیں اور نہ سائل کو مطمئن کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ مثلاً ہم سے کوئی مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ دریافت کرتا ہے تو ہم اسے بتا دیتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہے، قرآن کریم میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ [البقرہ:۲:۲۲۸]

ترجمہ:

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

پھر ہم سے کوئی اس عورت کی عدت کا مسئلہ دریافت کرتا ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس روز ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ [البقرہ:۲:۲۳۴]

ترجمہ:

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

یہ دونوں جواب سنتے ہی تحقیقی مزاج رکھنے والے کے دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام میں دونوں عورتوں کی عدت کے درمیان فرق کیوں ہے؟ اب اگر جدید دَور کے اعتبار سے اس کی حکمت بیان کی جاتی ہے تو سائل کے دل میں اسلام کی عظمت ورفعت مزید بڑھ جاتی ہے اور وہ احکام اسلام سے دور ہونے کے بجاے قریب تر ہوتا نظر آتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے روزنامہ انقلاب میں اس تعلق سے بڑی دل چسپ بات پڑھی تھی جس کے چند اقتباسات یہاں درج کرتا ہوں:

ماہر جینیات Embryologists نے یہ انکشاف کیا ہے کہ مسلم خاتون دنیا کی سب سے پاک دامن خاتون ہے۔ انھوں نے مزید یہ بھی بتایا کہ ایک طلاق شدہ مسلم خاتون کو اسلامی شریعت کے مطابق تین ماہ اور وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو، اسے چار ماہ دس دن تک دوسرے کسی شخص سے رابطہ نہیں قائم کرنا چاہیے، اس مدت کو "عدت" کہتے ہیں۔

جدید سائنس نے یہ واضح کیا ہے کہ مرد کے imprint water میں جس میں ۶۲٪ فی صد پروٹین ہوتا ہے، وہ ہر شخص میں اس طرح مختلف ہوتا ہے جیسے انگلیوں کے پوروں کے نشان۔ یہ ہر شخص کا پرسنل کوڈ ہوتا ہے اور ایک خاتون کا جسم ایک کمپیوٹر کی طرح ہے جس میں اگر دوسرا کوڈ فوری طور پر داخل ہو جائے تو وائرس پھیل جاتا ہے جو مختلف متعدی بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

سائنس یہ بھی کہتی ہے کہ پہلے حیض کے ایام میں طلاق شدہ خاتون اپنے جسم سے ۳۲٪ فی صد سے ۳۵٪ فی صد، دوسرے پیریڈ میں ۶۷٪ فی صد تا ۷۲٪ فی صد اور تیسرے ماہ میں ۹۹ء۹ فی صد مرد کے imprintwater اپنی بچہ دانی سے خارج کرتی ہے۔ اس کے بعد اگر نیا imprintwater اس کے بدن میں داخل ہو تو نسل بغیر کسی حرج کے رواں دواں ہوگی۔ فاحشہ عورتیں اسی لیے معاشرے کا ناسور بننے میں فعال کردار ادا کرتی ہیں، کہ ان کے پاس یہ احتیاط نہیں ہوتی ہے۔

بیوہ کے لیے یہ مدت اس لیے بڑھائی گئی کہ اس کا سابقہ دکھ اور ذہنی تناؤ زیادہ ہوتا ہے،اس صورت حال کے پیش نظر اس کی کوکھ سے imprintwater کا خروج وقت لیتا ہے۔اس لیے اسلام اسے چارماہ دس دن گزارنے کا حکم دیتا ہے۔

”ماہر جینیات نے امریکہ میں مقیم افریقن مسلم خواتین پر تجربہ کیا تھا اوراس نتیجہ پر پہنچا کہ غیر مسلم خواتین چوں کہ عدت کے ایام نہیں گزارتیں؛اس لیے ان کی کوکھ میں ایک سے زائد imprintwater مل جاتے ہیں۔اسی تجربہ کی بنا پر انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صرف وہ مسلم خواتین جو اللہ جل شانہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیتی ہیں،ان ہی کی کوکھ نسل انسانی کے لیے بابرکت ثابت ہوتی ہے اور نسب خلط ملط ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔“[۱۷]

اگر یہ تحقیق وبیان درست ہے تو ہم اس کے ذریعہ مخاطب کو عدت کے اختلاف کی وجہ سائنسی طور پر بخوبی سمجھا سکتے ہیں اور اگر یہ خلاف واقعہ ہے تو پھر ہمیں اس کی طرف توجہ دینے اور اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ مذہب بےزار لوگوں کو بھی ہم اس کی حکمت سمجھا سکیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ احکام اسلام سائنسی توجیہات کے محتاج نہیں ہیں،لیکن موجودہ حالات میں جب کہ مسلمان خصوصاً نوجوان احکام اسلام کے اسرار ورموز سمجھنا چاہتے ہیں،تو اس صورت میں اگر سائنسی توجیہات وتشریحات کے ذریعہ ان احکام کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی جائے تو ہمارے خیال میں مسلم نوجوانوں کے ساتھ دوسرے مذہب کے ماننے والے بھی اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔

## مسلم نوجوان اور مذہب سے محبت:

مسلم نوجوانوں کے دلوں میں مذہب کی محبت جگانے اور انھیں مذہب سے قریب لانے میں بعض چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں،مثلاً ان کے لیے عمدہ اعلیٰ دینی تعلیم کا بند وبست کرنا، بہتر اسلامی تربیت کا انتظام کرنا اور فکری اصلاح کے ساتھ ان کی ذہن سازی کرنا۔

اگر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ان تینوں امور پر توجہ دی جائے تو صرف امید ہی نہیں، بلکہ یقین ہے کہ ہمارے نوجوان پھر سے ایسی زندگی بسر کرنے لگیں گے جو دین فطرت کو مطلوب ہے اور جس میں اللہ جل شانہ اور اس کے محبوب ﷺ کی رضا اور خوش نودی ہے۔

ان امور کی انجام دہی میں جن اداروں کا کردار بڑا اہم اور بنیادی ہوتا ہے وہ بھی تین ہیں:(۱)والدین،گھر اور دیگر سرپرستوں کا کردار۔(۲)اسکولس،کالجز اور دینی اداروں کا کردار۔(۳)مسلم دانش وروں تنظیموں اور تحریکوں کا کردار۔

## والدین،گھر اور دیگر سرپرستوں کا کردار:

علم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے،اس کے حصول کے لیے تگ ودو کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، چناں چہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔[۱۸]

ترجمہ:

علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

نوجوانوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی اصلاح وذہن سازی میں والدین اور گھر کا کردار سب سے اہم اور بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔والدین و سرپرست بچے کے اولین معلم اور گھر ان کی پہلی درس گاہ یا تربیت گاہ ہوتی ہے،گھر میں بچے نہ صرف ابتدائی اور بنیادی باتیں سیکھتے ہیں، بلکہ عادات و اطوار اور اخلاق وکردار بھی گھر ہی سے سیکھتے ہیں۔والدین جس قدر اسلامی علوم ومعارف سے آگاہ ہوں گے اتنا ہی وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دے سکیں گے،جو والدین خود دین رحمت پر قائم اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں وہ اپنے بچوں کی اسلامی خطوط پر بہترین تربیت کرسکتے ہیں اور جو والدین اپنے بچوں کو صحیح تعلیم وتربیت سے محروم رکھتے ہیں وہ ایک عظیم جرم کا ارتکاب کرتے ہیں؛لہٰذا والدین اور گھر کے دیگر افراد پر یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت اور مناسب اصلاح ورہنمائی سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ رہیں۔

## اسکولس،کالجز اور دینی اداروں کا کردار:

دینی تعلیم کے بعد دوسری اہم چیز بہتر تربیت ہے جس کے ذریعہ نوجوانوں کو اسلام کے متعین کردہ حدود کا پابند کیا جاسکتا ہے۔قرآن مجید میں تربیت کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت اور بلیغ لفظ ”تزکیہ“ ہے،اس میں جامعیت کے ساتھ ساتھ گہرائی بھی ہے،اس کے معنی ہیں:نفس کو

تمام برائیوں، گندگیوں اور کبیرہ گناہوں سے پاک کرنا۔ درحقیقت تزکیۂ نفس ہی اخلاقی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ [الاعلیٰ:۱۴،۸۷:۱۵]

ترجمہ:

بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

دوسری جگہ یہ بھی آیا ہے کہ جس نے نفس کو بُرائی کی طرف مائل کیا وہ ناکام ہوا، چنان چہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ [الشمس:۹،۹۱:۱۰]

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے (نفس کو) ستھرا کیا (برائیوں سے) اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چُھپایا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ نوجوانوں کے فکر و عمل کو صحیح رُخ دیا جائے، انھیں اسلام کے دیے ہوئے نظامِ تزکیہ کے مطابق ڈھالا جائے، ان کے سوچنے، سمجھنے اور فہم و شعور حاصل کرنے کا زاویہ متعین کیا جائے۔

مگر افسوس! آج ہم اپنے نونہالوں اور نوجوانوں کو جن تعلیمی اداروں میں شوق سے داخل کرتے ہیں وہاں علم کے نام پر قسم قسم کی معلومات تو فراہم کی جاتی ہیں، لیکن انھیں اصل حقیقت سے ناواقف ہی رکھا جاتا ہے، ان تعلیمی اداروں کے فارغین انسانی زندگی کے بنیادی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں، انھیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہیں؟ ان کا خالق و مالک کون ہے؟ ان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ انھیں خلیفہ کی حیثیت سے اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد انھیں کہاں جانا ہے؟ وغیر ذالک۔

کسی دور اندیش نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ "اگر مہذب طریقے سے نوجوانوں کو قتل کرنا ہو تو موجودہ دَور کے تعلیمی اداروں سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی۔" وہ معلومات جو یہ تعلیمی ادارے فراہم کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے نوجوان اپنے خالق و مالک سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو رہے ہیں اور جس تعلیم کا نتیجہ یہ ہو تو پھر اس کا کیا فائدہ؟ سچ کہا گیا ہے:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ    اولاد بھی املاک بھی جاگیر بھی فتنہ

لہٰذا ضرورت ہے کہ کثرت سے مسلم تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں اور ان کا نصابِ تعلیم اس طرح تیار کیا جائے کہ اس میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی بندوبست ہو اور طلبہ کی ہمہ جہت تعلیم کے ساتھ ہمہ گیر تربیت بھی ہو، گویا عصری تعلیم، اسلامی ماحول میں دی جائے۔

## مسلم دانشوروں، تنظیموں اور تحریکوں کا کردار:

نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی ذہن سازی مسلم دانشوروں، تنظیموں اور تحریکوں کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ آج نوجوانوں کو علمی اور عملی طور پر یہ بتانے اور سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اسلام باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و محبت، صلہ رحمی اور وعدہ وفائی کا درس دیتا ہے، جذبۂ مسابقت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور عدل و انصاف کی تلقین کرتا ہے، اور بلاشبہہ یہ ساری چیزیں صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے لازمی ہیں، ان ہی کے ذریعہ ایک پُرامن معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

اسلام دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے علاوہ خیر خواہی کی بھی تلقین کرتا ہے، اسلام دوسروں سے منہ پھیر کر زندگی گزارنے اور سماج سے الگ تھلگ رہنے سے بھی باز رکھتا ہے، چنان چہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

انما الدین النصیحة۔ قالوا: لمن یا رسول اللہ؟ قال: للہ ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم [۱۹]

ترجمہ:

دین تو سراپا خیر خواہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کس کے لیے خیر خواہی ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کے لیے، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لیے، ائمۂ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لیے۔

یہ حدیث بہت عظیم الشان ہے اور اسی پر اسلام کا مدار ہے، اس کی شرح میں وہ سارے امور آجاتے ہیں جن کا یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، کیوں کہ نصیحت ایسا جامع کلمہ ہے جس کی تشریح کسی ایک لفظ سے ممکن نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ مذہب اسلام کا حقیقی اور بنیادی تصور نوجوانوں کے ذہنوں میں نقش کیا جائے تاکہ وہ اس دنیا میں اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دیں اور دونوں جہان میں سرخ روئی و کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے دانش ور، جذبۂ اسلامی سے لب ریز ہو کر حالات حاضرہ کے تناظر میں مذہب اسلام کی سچی تصویر عوام کے سامنے پیش کریں اور عشق رسول کا جام طہور نوجوانوں کا پلائیں، ان کی اعلی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں اور ان کی اصلاح وذہن سازی کے لیے اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل علماو ارباب علم ودانش سے رابطہ کریں اور ہماری تنظیمیں و تحریکیں کثرت سے ایسے اسکول وکالج کھولیں جہاں دینی ماحول میں اعلیٰ عصری تعلیم کا بندوبست ہو، اسلامی تہذیب وثقافت کی روشنی میں ان کی حوصلہ افزائی ہوتا کہ وہ احساس کم تری اور مرعوبیت کے خول سے باہر آسکیں اور ہم ڈاکٹر اقبال کی زبان میں ان سے کہہ سکیں:

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر — نیا زمانہ، نئی صبح و شام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احسان — سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے — خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

## حوالہ جات


سنن أبي داوٗد، ج:۲، ص:۵۴۶، رقم الحدیث:۴۴۰۳، دارالفکر، بیروت۔
۲-بہار شریعت، حصہ:۱۵، ص:۲۰۳، بلوغ کا بیان، ملخصا، دعوت اسلامی۔
۳-خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
۴-سنن الترمذی، ج:۵، ص:۵۵۳، رقم الحدیث:۳۵۵۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
۵-سنن الترمذی، ج:۸، ص:۳۷۹، رقم الحدیث:۲۳۵۰، المکتبۃ الشاملۃ۔
۶-سنن الترمذی، ج:۹، ص:۳۳۷، رقم الحدیث:۲۶۴۷، المکتبۃ الشاملۃ۔
۷-الصحیح لمسلم، ج:۸، ص:۱۷، رقم الحدیث:۷۰۲۸، دار الجیل، بیروت۔
۸-خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
۹-صحیح مسلم، باب الربا، ج:۲، ص:۲۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
۱۰-المعجم الاوسط للطبرانی، ج:۳، ص:۲۱۱، رقم الحدیث:۲۹۴۴، دار الحرمین، القاہرہ۔
۱۱-خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
۱۲-الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، ج۲، ص۱۰۰، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر۔
۱۳-الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، ج۲، ص۱۱۰، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر۔
۱۴-حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج:۱۰، ص:۲۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
۱۵-شعب الایمان، ج:۱۱، ص:۱۳۹، رقم الحدیث:۸۳۰۳، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض۔
۱۶-مسلم سائنس دانوں کی روشن ایجادات، ملخصا-https://www.dawnnews.tv/news/۱۰۱۱۳۸۶
۱۷-روزنامہ انقلاب اردو، وارانسی ایڈیشن، ۲۲ رستمبر ۲۰۱۶ء۔
۱۸-سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث:۲۲۴، ج:۱، ص:۸۱، دار الفکر، بیروت۔
۱۹-سنن النسائی، ج:۷، ص:۱۵۶، رقم الحدیث:۴۱۹۷، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔

# مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی علمی جلالت

میزان الرحمن علائی

آٹھویں صدی ہجری کے متبحر عالم دین اور قطب وقت حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بخاری اوچی سہروردی عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ ۱۷/ شعبان المعظم ۷۰۷ھ مطابق ۱۳۰۸ء بروز جمعرات خطہ معظم اوچ، صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت سید احمد کبیر بخاری (۶۴۸-۷۱۴ھ)، حضرت شیخ جمال خنداں رو اوچی سہروردی (م: ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۳ء)، حضرت شیخ رضی الدین عثمان اوچی سہروردی (۶۶۷-۷۷۰ھ)، قاضی اوچ حضرت شیخ بہاء الدین، حضرت شیخ موسی سہروردی ملتانی اور حضرت شیخ شرف الدین محتسب جیسے اعلام روزگار سے متعدد علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران امام عبداللہ بن اسعد بن علی یافعی (۶۹۸-۷۶۸ھ/ ۱۲۹۸-۱۳۶۷ء) اور امام عبداللہ بن محمد بن احمد مطری خزرجی عبادی (۶۹۸-۷۶۵ھ/ ۱۲۹۹-۱۳۶۳ء) سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ سلوک کی تعلیم والد ماجد سید احمد کبیر بخاری اور عم محترم سید صدر الدین محمد غوث بخاری سے پائی۔ یوں تو حضرت مخدوم جہانیاں کے شیوخ طریقت میں بہت سے شیوخ کے نام آتے ہیں تاہم آپ بیعت و ارادت اپنے وقت کے زبردست عالم دین اور سلسلہ سہروردیہ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی (۶۴۹-۷۳۵ھ) سے رکھتے تھے۔ دینی، دعوتی، علمی، ادبی اور فکری میدانوں میں آپ کی خدمات بے شمار ہیں۔ ۱۰/ ذی الحجہ ۷۸۵ھ مطابق ۲/ فروری ۱۳۸۴ء بروز بدھ آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ان کی کتاب حیات کے سنہرے اوراق الٹتے چلے جائیں، ہر صفحے میں وہ آپ کو ایک نئے رنگ میں نظر آئیں گے؛ تاہم چوں کہ یہاں ہمارا اصل منشا ان کے پورے چمن حیات کی سیر نہیں ہے اس لئے فی الحال آگے بڑھتے ہوئے ہم اُس گوشہ خوش رنگ کی طرف چلتے ہیں جہاں علم و ادب اور فکر و تحقیق کی بہاریں عندلیبان چمن کو نغمہ سرائی کی دعوت دے رہی ہیں۔

## عام گفتگو میں علمی تبحر کی جھلک:

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ اگرچہ عوام و خواص کے درمیان ایک عظیم صوفی بزرگ کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں تاہم اگر آپ گہرائی کے ساتھ ان کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک عظیم صوفی سے قبل وہ ایک عظیم محدث، عظیم مفسر اور عظیم فقیہ تھے۔ طبقہ صوفیہ کے ساتھ یہ زیادتی کوئی نئی بات نہیں کہ جب بھی علم و ادب اور سند و تحقیق کی بات آتی ہے تو ہم بلا سوچے سمجھے فوراً کہہ دیتے ہیں کہ: ارے بھئی! یہ تو بزرگ لوگ ہیں، خانقاہوں میں ھو اللہ کی ضرب لگانے والے، انہیں تحقیق و جستجو سے کیا مطلب؟ لاحول ولا قوۃ! صوفیائے کرام کے ساتھ یہ ایک ایسی زیادتی ہے جو صرف اور صرف ہماری ہی قوم کا خاصہ ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آپ دکھا نہیں پائیں گے کہ دیگر اقوام و ملل نے اپنے عظیم دانشوروں کو یوں سر عام رسوا کیا ہو۔

میرے سامنے اس وقت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت پر ماؤنٹ ہولیوک کالج، ساؤتھ ہیڈلی، امریکہ کی اسوسیٹ پروفیسر آف ریلیجین محترمہ امینہ ایم، اسٹینفیلس کا انگریزی زبان میں کیا گیا ایک تحقیقی کام بعنوان ”Knowledge Before Action“ موجود ہے۔ پروفیسر صاحبہ کا یہ علمی و تحقیقی مقالہ ۲۵۲/ صفحات پر مشتمل ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مقالے کا مرکزی پلاٹ حضرت مخدوم جہانیاں کی علمی، ادبی، فکری اور تحقیقی وجاہت ہے۔ دراصل حضرت مخدوم رحمہ اللہ کا ایک معروف قول ہے: ”عمل سے پہلے علم۔“ محترمہ اسٹینفیلس نے ان کے اسی قول کو بنیاد بنا کر اپنا تحقیقی مقالہ رقم کیا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم نے ان عظیم صوفیاء کو جاہل یا ضعیف العلم سمجھ کر سند اور تحقیق کے باب میں ان سے مطلقاً نظریں پھیر لیں جب کہ مغربی مفکرین نے ان کی علمی اور فکری عظمت سے متاثر ہو کر بصد احترام انہیں سلام عقیدت پیش کیا۔

۱۔اگر آپ حضرت مخدوم جہانیاں کے یومیہ معمولات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے قیمتی اوقات کا ایک بڑا حصہ تعلیم و تدریس کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں! ان کی عام گفتگو بھی حیرت انگیز طور پر اعلی علمی نکات اور بلندپایہ تحقیقات سے مزین ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت مخدوم صاحب کے چہیتے شاگرد حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی نے ۷/ شعبان المعظم ۷۸۱ھ (مطابق ۱۸/ نومبر ۱۳۷۹ء) کی شب جمعہ کی ایک عام مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تہجد کے وقت یہ فقیر اُس امیر کبیر کی بارگاہ میں حاضر تھا، سحری کے لئے ہریسہ لایا گیا، اس فقیر اور کئی دیگر احباب سے فرمایا کہ بھائیو! کھاؤ، تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ اسی دوران انہوں نے یہ بھی فرمایا: مومن کو چاہیئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر پیغمبران عظام صلوات اللہ تعالی علیہم اجمعین کی پیروی کرے، یعنی کبھی روزہ رکھے اور کبھی روزہ نہ رکھے۔ حدیث صحاح میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من صام فلا صام و لا أفطر۔ یعنی: جو کوئی صوم الدھر (پورا سال روزہ) رکھے، اس نے نہ تو ہمیشہ روزہ رکھا اور نہ ہی ہمیشہ افطار کیا۔ یعنی اس نے نقصان کیا اور طاعت نہیں کی۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ} [المومنون: ۵۱]

یعنی: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ، اور نیک کام کرو، بے شک میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔ یوں ہی جب کافروں نے حضرت پیغمبر علیہ السلام کے تعلق سے کہا: {وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ} [الفرقان: ۷]۔ یعنی: اور ان کافروں نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ کفار کی یہ بات سن کر جب صحابہ کرام بارگاہ رسالت مآب میں کبیدہ خاطر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: اے میرے ساتھیو! تمہیں کیا ہوا؟ تم افسردہ کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کفار ایسا ایسا کہتے ہیں یعنی کفار یہ کہتے ہیں (جسے تعالی نے نقل فرمایا): {وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ}۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے دل کو بھی تکلیف پہنچی، چنانچہ حق تعالی نے اپنے رسول محترم کے دل کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: {وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ} [الفرقان: ۲۰]۔ یعنی: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے مرسلین بھیجے ہیں وہ بھی ضرور کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ پس اس آیت کے نزول سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو سکون مل گیا۔" [۱]

۲۔ حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی نے ۹/ رمضان المبارک ۷۸۱ھ (مطابق ۱۹/ دسمبر ۱۳۷۹ء) کی شب ہونے والی ایک مجلسی گفتگو کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کے تحمل اور قوت برداشت کے تعلق سے متذکرہ بالا واقعہ کچھ اور اوصاف کے اضافے کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا: رسول اللہ ﷺ ننگی پیٹھ والے دراز گوش پر سوار ہوتے، اور اگر صحابہ میں سے کوئی تھک جاتا تو انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ ایک روز ایک بادیہ نشیں نے آکر جامہ مبارک کو اتنے زور سے کھینچا کہ جسم مبارک چھل گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اسے بیت المال سے کچھ دے دو، غریب آدمی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیت المال سے صرف اور صرف اسی کو کچھ دینا جائز ہے جو اس کا مستحق ہو۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ} [التوبۃ: ۶۰]۔ یعنی: زکوۃ صرف فقراء کے لئے اور مساکین کے لئے اور زکوۃ کی وصولی پر مامور افراد کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جائز ہے جن کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈالنا مقصود ہو، اور غلام آزاد کرانے میں، اور قرض داروں کے لئے، اور اللہ کی راہ میں جانے والوں کے لئے، اور مسافر کے لئے جائز ہے۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ حکم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

فھولاء ثمانیۃ أصناف وقد سقطت المؤلفۃ قلوبھم، لأن اللہ تعالی أعز الاسلام و أغنی عنھم فبقی سبعۃ۔ وأما الفقیر فمن لہ أدنی شئ، والمسکین: من لا شئ لہ، وقیل علی العکس، وھو قول الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ والعامل: من یدفع الیہ الامام بقدر عملہ، والرقاب: أی المکاتبون یعان فی فک رقابھم، والغارم: من ألزمہ دین ولیس عندہ شئ، وفی سبیل اللہ: ھو الغازی منقطع الغزاۃ، وابن السبیل: وھو المسافرون، وان کان لہ المال فی وطنہ وھو فی مکان لا شئ لہ فیہ، فھؤلاء مستحقون لبیت المال، والامام یدفع الی کل واحد منھم۔

یعنی: بیت المال کے مستحق آٹھ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمادیا ہے۔ اب رہی بات تالیف قلوب کی تو ابتدائے اسلام میں

عرب کے کچھ بوڑھے لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کیلئے کچھ دے دیا جاتا تھا، پھر اللہ تعالی نے اسلام کو عزت بخشی اور ایسے لوگوں سے بے نیاز فرمادیا، سو اب انہیں کچھ نہیں دیں گے؛ گویا اب سات لوگ باقی ہیں۔ ان میں سے ایک فقیر ہے، اور فقیر: اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ دوسرا مسکین ہے، اور مسکین: اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ یہاں بعض لوگوں نے فقیر اور مسکین کی تعریف برعکس طریقے پر بھی کی ہے، یعنی: فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، اور مسکین: اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا ہے، تاہم اصح قول اول ہی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ تیسرا: عامل ہے، جیسے عالم، کاتب اور ان جیسے دیگر افراد (جو زکوۃ کے شعبے میں کام کریں)، امام المسلمین ان کے کام کے مطابق انہیں بھی دیا کریں۔ چوتھا: مکاتب ہے، بیت المال سے اس کی بھی مدد کی جائے تاکہ وہ غلامی سے چھٹکارا پائے۔ پانچواں: قرض دار ہے، اگر اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ نہیں ہے تو بیت المال سے اسے بھی دیا جائے تاکہ وہ اپنے قرض سے نجات پائے۔ چھٹا: راہ خدا میں جہاد کرنے والا، یعنی لشکری۔ ساتواں: مسافر ہے، اگرچہ اس کے پاس وطن میں مال ہو اور یہاں وہ فقیر ہو تو اسے بھی دیا جائے۔ یہ تمام لوگ بیت المال کی امداد کے مستحق ہیں، سو امام المسلمین ان میں سے ہر ایک کو عطا کرے۔

اس کے بعد فرمایا: ہندوستان میں خانقاہیں بیت المال سے تعمیر کرتے ہیں جب کہ ممالک عرب اور ایران میں صاحبان استطاعت اور تجارت پیشہ افراد خانقاہیں تعمیر کر دیتے ہیں اور ان کی خاطر حجرے وقف کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: فتاوی کامل میں ہے: **يعطى لهؤلاء من بيت المال بقدر كفافهم و أهاليهم و قضاء ديونهم**۔ یعنی: ان لوگوں کو ان کے اور ان کے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق، یوں ہی ان کے قرضوں کی ادائیگی کے حساب سے مال عطا کیا جائے۔ میں نے یہ مسئلہ بادشاہ کو بتایا، اور انہیں یہ بھی کہا کہ: عورتوں کا مہر بھی ایک قرض ہے، سو ان کی ادائیگی کے واسطے بھی بیت المال سے لوگوں کو کچھ عطا کیا کریں۔ بادشاہ نے کہا: خدا کے واسطے یہ مسئلہ لوگوں کے سامنے ظاہر مت کیجئے گا ورنہ اس زمانے میں تمام لوگ مطالبہ کرنے لگ جائیں گے اور آ کر میرا دامن پکڑ لیں گے۔"[۲]

۳۔ ۱۸/ ذی قعدہ ۷۸۱ھ (۲۶/ فروری ۱۳۸۰ عیسوی) شب اتوار کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی لکھتے ہیں:

"تہجد کے وقت قصیدہ لامیہ کا سبق ہو رہا تھا، یہ فقیر حضرت مخدوم کے حجرے میں موجود تھا، جب سبق اس شعر تک پہنچا:

وَ غَيران المُكَوَّنَ لَا كَشئٍ
مع التكوينِ خُذْهٗ لَا كتحالِ

یعنی: مکون اور تکوین، بلفظ دیگر مخلوق اور خالق ایک دوسرے کے متغایر ہیں، یعنی وہ دونوں شے واحد کی طرح متحد نہیں ہیں، تو تم اس بات کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالو (یعنی جس طرح سرمہ بصارت کو تیز کر دیتا ہے اسی طرح یہ بات تمہاری بصیرت کو تیز کر دے گی)۔

آپ نے فرمایا: یہاں لفظ مکون مفعول ہے جو مخلوق کی صفت ہے، اور تکوین مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور وہ خالق ہے۔ یعنی اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ مخلوق، خالق کی صفت کا غیر ہے؛ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {**لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**} [الشوری: ۱۱] یعنی: کوئی بھی شے اس کی طرح نہیں ہے، اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ کائنات میں موجود مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ نہ دیں، کیوں کہ اللہ رب العزت کے حق میں تشبیہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے ساتھ تشبیہ کا قول اہل بدعت کا ہے، اللہ انہیں رسوا فرمائے! یہ لوگ کہتے ہیں کہ: خدا جوہر ہے۔ عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے اس گروہ کا قول باطل ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کوئی کام کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا وہ کام اس کی ذات کا غیر ہے، یوں ہی صنعت بھی لامحالہ صانع کی غیر ہوگی۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا گیا:

و اِن السحتَ رزقٌ مثل حِلٍّ
و اِن يَّكرَهْ مقالى كلُّ قالِ

یعنی: حرام بھی اسی طرح ایک رزق ہے جس طرح حلال ایک رزق ہے، اگرچہ کہنے والے میری بات کو ناپسند کریں۔ اس شعر کی شرح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حرام بھی حلال ہی کی طرح ایک رزق ہے تو پھر دونوں کے درمیان فرق کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا کہ:

رزق الحرام مثل رزق الحلال من جهة التغذی، لا من جهة التشبیه۔ یعنی: حرام بھی حلال ہی کی طرح ایک رزق ہے محض غذائیت کی حیثیت سے، نہ کہ تشبیہ کی حیثیت سے۔ گویا غذائیت کے سلسلے میں دونوں کے مابین مماثلت پیدا ہوگئی، اسی لئے کہا گیا کہ غذا کی جہت سے حرام بھی حلال ہی کی طرح ایک رزق ہے؛ یعنی یہاں پر لفظ مثل رزق کی صفت ہے۔ کیوں کہ رزق کہتے ہی ہیں: الرزق ما یتغذی بہ۔ یعنی: رزق وہ ہے جس سے غذائیت حاصل کی جائے۔ بدمذہب کہتے ہیں کہ: حرام، رزق نہیں ہے اور یہ مقدر نہیں ہے بلکہ اسے بندے نے خود اختیار کیا ہے جو حرام ہے۔ غور کریں تو یہ جماعت اور اس کا موقف عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے باطل ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا}[ھود:٦]۔

یعنی: اور زمین پر کوئی ایسا چلنے والا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا گیا:

وَ فِي الْأَجداثِ عَن توحيد ربِّي
سَيُبْلَى كلُّ شخصٍ بالسؤال

یعنی: قبر میں مکلفین یا اولاد آدم میں سے ہر شخص اپنے رب کی توحید کے بارے میں سوال کے ذریعے آزمایا جائے گا۔ شعر کے مصرع ثانی کی ابتدا میں سین برائے تاکید ہے جس طرح لام ابتدا برائے تاکید کا استعمال کرتے ہیں۔

أی: سؤال القبر عن توحید الله تعالی حق من کل شخص، مومنا کان أو کافرا، صالحا کان أو فاسقا، صغیرا کان أو کبیرا، عاقلا کان أو مجنونا۔

یعنی: یہ بات برحق ہے کہ توحید الٰہی کے تعلق سے قبر میں ہر شخص سے سوال کیا جائے گا؛ چاہے وہ مومن ہو یا کافر، صالح ہو یا فاسق، صغیر ہو یا کبیر، عاقل ہو یا مجنون۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: {لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ}[الانبیاء:٢٣]۔ یعنی: مالک ارض و سما سے نہیں پوچھا جاتا کہ وہ کیا کرے، البتہ بندوں سے ضرور پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا؟ یعنی یہ بات حق ہے کہ تمام بندوں سے سوال کیا جائے گا۔

یہاں ایک عزیز نے سوال کیا کہ: شعر میں مستعمل لفظ کل تمام افراد کو محیط ہے، جب کہ چھوٹے بچوں اور انبیاء کرام سے سوال نہیں کیا جائے گا کیوں کہ وہ تو معصوم ہیں۔

جوابا آپ نے فرمایا: الصغائر یسألون لتعظیم البشر لأنه حیوان ناطق، ولا سؤال للحیوان غیر الناطق، والأصح أن الأنبیاء لا یسألون، لان السوال لاثبات الحجة وهم حجج الله، فلا یسألون. قال بعضهم: ألانبیاء لا یسألون عن التوحید ولکن یسألون علی ماذا ترکتم أمتکم؛ لقوله تعالی: {وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ، اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ، تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ، اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ، وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ، وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ}[المائدۃ:١١٦/ ١١٧/ ١١٨]

یعنی: صغائر سے بھی سوال کیا جائے گا تاہم یہ سوال نوع بشر کی تعظیم کے لئے ہوگا، کیوں کہ وہ حیوان ناطق ہے؛ البتہ حیوان غیر ناطق سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ سوال اثبات حجت کے لئے کیا جائے گا اور وہ تو خود ہی اللہ کی حجت ہیں؛ سو ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہاں بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ: انبیائے کرام سے توحید کے بارے میں تو سوال نہیں کیا جائے گا البتہ ان سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا کہ: تم نے اپنی امت کو کس چیز پر چھوڑا ہے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: اور جب اللہ فرمائے گا: اے مریم کے بیٹے عیسی! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ؟ وہ جواب دیں گے: پاک ہے تیری ذات! میرے لئے جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی ہے، اگر میں نے وہ بات کہی تھی تو تو ضرور جانتا ہے، تو وہ جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بے شک تو ہی ہے تمام غیبوں کا جاننے والا ☆ میں نے ان سے نہ کہی مگر وہی بات جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو

میرا اور تم سب کا رب ہے؛ اور جب تک میں ان کے درمیان حیات تھا تو ان سے باخبر تھا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو اس وقت تو ان پر نگاہ رکھتا تھا، اور تو ہر شے پر مطلع ہے ☆ اگر تو انہیں عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تو ان کی مغفرت فرما دے تو بے شک تو بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صغار اگرچہ مخاطب نہیں ہیں تاہم تعظیم بشر کی خاطر ان سے بھی سوال کیا جائے گا، کیوں کہ بہرحال وہ حیوان ناطق ہیں، البتہ حیوان غیر ناطق سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہاں بچوں سے سوال کرنے میں دوسری حکمت یہ ہے کہ فرشتے یہ جان جائیں کہ جب بچے جواب دے رہے ہیں تب تو بڑے بطریق اولی جواب دے دیں گے۔"[۳]

نوٹ: مذکورہ بالا اقتباس میں جس "قصیدہ لامیہ" کا ذکر کیا گیا ہے وہ امام ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان بن محمد بن سلیمان اوشی فرغانی (م:۵۷۵ھ) کا رقم کردہ مشہور قصیدہ "بدء الأمالی" ہے۔ یہ قصیدہ اپنے آغاز تخلیق ہی سے علماء کرام کے درمیان کافی مقبول رہا ہے اور مفاہیم کی بلندی کے علاوہ عربی زبان و ادب کا ایک شہ پارہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔۔ اردو کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ عربی زبان میں اب تک اس کی کئی شروحات لکھی جا چکی ہیں جن میں سے ایک حضرت ملا علی قاری (م:۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء) کی "ضوء المعالی لبدء الأمالی" ہے، دوسری حضرت شیخ محمد یحیی معروف بہ میاں نور محمد بن عبدالرحیم چناپلی لاہوری (م:۱۱۵۷ھ) کی "شرح قصیدۃ بدء الأمالی" ہے اور تیسری امام محمد بن سلیمان حلبی (م:۱۲۲۸ھ) کی "نخبۃ اللآلی لشرح بدء الأمالی" ہے۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے محض ایک مجموعہ ملفوظات "خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم" کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیں تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے کہ حضرت مخدوم رحمہ اللہ کی عام گفتگو بھی کسی بلندپایہ تحقیقی مقالے سے کم نہیں ہوتی تھی؛ اس سے ہم بخوبی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فی الواقع علم و ادب کے میدان میں حضرت مخدوم رحمہ اللہ کا درجہ کتنا بلند تھا؟ سوچنے والی بات یہ بھی ہے کہ ملفوظات یا امالی سے کبھی بھی شخصیت کی پوری ترجمانی نہیں ہوتی ہے بلکہ ان سے بس اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ صاحب ملفوظات کا بنیادی مسلک فکر کیا تھا؟ اور وہ چیزوں کو کس انداز میں دیکھتے اور برتتے تھے؟ تاہم حیرت انگیز طور پر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات اپنے عالی رتبہ مضامین کی بنیاد پر ہمیں واضح انداز میں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ علمی و تحقیقی میدان میں صاحب ملفوظ کا درجہ عام حدوں سے کافی آگے بڑھ کر "امامت" کا تھا۔ علم تفسیر کی بات کریں یا حدیث کی، فقہ کی بات کریں یا کلام کی، عقائد کی بات کریں یا اصول کی، فصاحت کی بات کریں یا بلاغت کی، معانی کی بات کریں یا بیان کی، نحو کی بات کریں یا صرف کی، منطق کی بات کریں یا فلسفے کی، لغت کی بات کریں یا عروض کریں، فرائض کی بات کریں یا طب کی، تصوف کی بات کریں یا سیرت کی؛ ہر میدان میں وہ طاق تھے۔ اور یہ محض ہمارا کوئی جذباتی دعوی نہیں ہے بلکہ ان شاء اللہ تعالی اسی تحریر میں ہم الگ الگ ذیلی عناوین کے تحت مختلف علوم و فنون پر ان کی کمال گرفت اور بے مثال مہارت کے کچھ نمونے پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن سے آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا مذکورہ دعوی محض عقیدت پر مبنی ہے یا پھر عقیدت سے پرے ہو کر حقیقت بھی یہی کہانی سناتی ہے؟

## علوم قرآن:

فنی تفصیلات اور اختلافات سے قطع نظر حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی (م:۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے مطابق وہ علوم جو قرآن حکیم میں نصاً و صراحۃً بیان ہوئے ہیں، کل پانچ ہیں۔ (۱) علم الاحکام، (۲) علم الجدل، (۳) علم التذکیر بآلاء اللہ، (۴) علم التذکیر بایام اللہ (۵) اور علم التذکیر بالموت وما بعدہ۔ چنانچہ انہی امور کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں: "قرآن کے منصوص و صریح مضامین علوم خمسہ سے خارج نہیں ہیں۔

۱- **علم الاحکام:** سے مراد واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام ہے؛ خواہ وہ احکام نوع عبادات سے تعلق رکھتے ہوں یا نوع معاملات سے، یا پھر تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا شہری سیاست سے۔ اور اس علم کی تفصیلات کی توضیح فقیہ کی ذمہ داری ہے۔

۲- **علم الجدل:** سے مراد چار گمراہ فرقوں یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین کے ساتھ بحث و مباحثہ ہے۔ اور اس علم کے بیان و توضیح کی ذمہ داری ماہرین علم کلام پر عائد ہوتی ہے۔

۳- **علم التذکیر بآلاء اللّٰہ:** سے مراد زمین و آسمان کی تخلیق کا بیان، بندوں کو محتاج الیہ امور کی تعلیم اور اللہ عزوجل کے صفات کاملہ کی وضاحت ہے۔

۴-**علم التذکیر بایام اللّٰہ**: سے مراد ان واقعات کی توضیح ہے جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اطاعت شعاروں کے آرام اور نافرمانوں کی سزاوعذاب کے قبیل سے ظہور پذیر فرمایا ہے۔

۵-**علم التذکیر بالموت ومابعدہ**: حشر، نشر، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کی وضاحت سے عبارت ہے۔ان تینوں(موخر الذکر)علوم کی شرح اور ان علوم سے تعلق رکھنے والی احادیث وآثار کا ذکر واعظ اور مذکر کی ذمہ داری ہے۔"[۴]

۱-متذکرہ علوم میں سے اگر ہم اول الذکر یعنی علم الاحکام کی بات کریں تو وہ مکمل طور پر "علم فقہ" سے عبارت ہے،یعنی علم الاحکام کے اصول و مسائل کی تمام تر ذمہ داری فقہاء پر عائد ہوتی ہے،اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں اپنی دیگر ان گنت خوبیوں کے ساتھ ایک لاجواب فقیہ بھی تھے۔ہم علم فقہ پر ان کے کمال گرفت کے حوالے سے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بساط بھر گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے،یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ حضرت مخدوم کے ملفوظات میں دیگر علوم وفنون کی توضیحات کے ساتھ جو فقہی نظائر ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔وہ علم فقہ پر باقاعدہ کوئی کتاب نہیں لکھ رہے ہیں اور نہ ہی کسی لائبریری میں بیٹھ کر سوالات کے جوابات رقم کررہے ہیں بلکہ وہ ایک عوامی مجلس بیٹھے ہیں جہاں ابجد خوانوں سے لے علم و ادب کے ماہرین تک سبھی قسم کے لوگ ان سے مستفیض ہونے کی نیت سے حاضر ہیں،اسی بیچ کوئی کسی مسئلے سے متعلق ایک سوال کردیتا ہے۔غور کریں! نہ تو سامنے کتابیں ہیں اور نہ ہی خصوصیت کے ساتھ پوچھے گئے مسئلے پر مطالعہ کیا گیا ہے مگر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت برمحل اس سوال کا ایسا عمدہ جواب دیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ان کے ملفوظات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پوچھے گئے سوالات کے جوابات محض سادہ طور پر نہیں بتادیتے تھے بلکہ اس مسئلہ سے متعلق کس کا کیا قول ہے؟سب واضح کرتے تھے۔مثلاً اس مسئلے میں امام مالک کی رائے یہ ہے،امام شافعی کی رائے یہ ہے،امام احمد یہ کہتے ہیں اور ہمارے امام حضرت ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں۔اگر کسی مسئلے میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہوتا یا امام محمد اور شیخین کے مابین اختلاف ہوتا تو وہ اسے بھی ظاہر فرمادیتے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتے جاتے کہ ان میں قول اصح کون سا ہے اور فتوی کس کے قول پر ہے؟میرے اس دعوے کی روشن دلیل آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ کے ایک مجموعہ ملفوظات بنام "سراج الہدایہ" میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔اس ہیچ مداں راقم نے کچھ عرصہ پہلے "سراج الہدایہ" کی علمی وادبی حیثیت پر ایک مقالہ تحریر کیا تھا۔اس مقالے کی ترتیب کے دوران راقم سطور نے پایا تھا کہ سراج الہدایہ کے فقط دوسرے باب میں فقہ و فتاوی کی تقریباً ۹۴/ کتابوں کے حوالے سے حضرت مخدوم جہانیاں نے الگ الگ موضوعات کے ۴۶۵/ مسائل بیان کئے ہیں۔حیرت کی بات یہ تھی کہ مجلسی بیانات کے باوجود وہ کتابوں کے حوالوں کے ساتھ مسائل کی اصل عبارت بھی نقل کرتے جاتے تھے۔ان شاء اللہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ کی شان فقاہت پر ہم آگے ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے مگر یہاں آپ یہ سوچ کر دیکھئے کہ صبح وشام کی ایک خانقاہی مجلس میں یوں مجتہدانہ شان کے ساتھ علم فقہ پر گفتگو کرنا کیا کوئی بچوں کا کھیل تھا؟بلاشبہ حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے یہ علمی بیانات درشاتے ہیں کہ وہ علم الاحکام پر بھی کمال کی نظر رکھتے تھے۔

۲-علم الاحکام سے آگے بڑھ کر اگر ہم علم الجدل کی بات کریں تو یہ علم اپنی وضاحت اور تحقیق کے لئے مکمل طور پر اہل کلام حضرات پر انحصار کرتا ہے اور یہ بات تمام طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں علم کلام پر بھی کامل گرفت رکھتے تھے۔حضرت مخدوم کے ملفوظات میں ہمارے اس دعوے کے بہت سے امثال ونظائر موجود ہیں،ہم یہاں بطور نمونہ محض ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی نے ۱۶/ جمادی الاولی ۷۸۱ھ کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہانیاں کی کچھ علمی توضیحات نقل کی ہیں جن میں سے ایک توضیح علم کلام پر ان کی گہری نظر کو درشاتی ہے۔وہ گفتگو اصلاً عربی زبان میں ہے تاہم طوالت سے بچنے کے لئے ہم یہاں محض اردو ترجمہ پیش کررہے ہیں۔

"خوارج،معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ:اگر کوئی مومن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے تو وہ دائرہ ایمان سے نکل جاتا ہے،اور وہ لوگ اپنے قول کی تائید میں قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:{وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا}[السورۃ: النساء، ۹۳]یعنی: اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کردے تو وہ مدتوں تک جہنم میں رہے گا۔خوارج،معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب خلود یعنی ہمیشہ جہنم میں رہے گا،اور خلود مطلق محض کافر کے لئے ہوتا ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے نکل جاتا ہے۔ہم اہل سنت وجماعت ان لوگوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ:تم لوگوں نے اپنے موقف کی تائید میں یہ آیت کریمہ محض اس لئے پیش کی ہے کہ تم

لوگ اہل سنت سے عداوت رکھتے ہو اور صحابہ کرام کی مخالفت میں پیش پیش ہو۔ اگر تمہیں سعادتیں نصیب ہوتیں تو تم لوگ اس طرح کی بدعتیں نہ پھیلاتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوتے، کیوں کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مطلب "الاستحلال بالقتل" یعنی بندہ مومن کے قتل کو حلال جاننا ہے۔ (یعنی کسی مومن کے قتل کو حلال جاننا کفر ہے کیوں کہ یہ حکم قرآن کی مخالفت ہے اور ظاہر ہے کہ حکم قرآن کی مخالفت کفر ہے)۔ ترجمان القرآن، سردار مفسران حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے کہا ہے کہ: یہاں خلود کو ابد سے تعبیر کیا جانا کوئی قابل تسلیم بات نہیں ہے بلکہ یہاں خلود کی تعبیر طول زمان سے کی جائے گی، جیسا کہ کہا جاتا ہے: خلد الأمير فلانا في السجن أي أطال الحبس فيه۔ یعنی: امیر نے فلاں کو ہمیشہ کے لئے قید میں رکھا، یعنی: امیر نے اسے لمبے زمانے تک محبوس رکھا۔ ترجمان القرآن میں ترجمان تفعلان کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے جو ترجمہ سے مشتق ہے، اور ترجمہ: ایک زبان کو دوسری زبان میں بیان کرنے کا نام ہے۔"[۵]

کہنے کا منشا یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات میں جا بجا اس قسم کے نظائر ہمیں دیکھنے کو مل جاتے ہیں جو زبان حال سے کہتے ہیں کہ دیگر علوم وفنون کے ساتھ علم کلام میں بھی حضرت مخدوم صاحب یدطولی رکھتے تھے: اور چوں کہ ماہرین علم کلام ہی علم الجدل کی وضاحت اور تحقیق کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ علم الجدل میں بھی بالکل طاق اور منفرد تھے۔

**نوٹ:**

علم الاحکام اور علم الجدل پر قدرے گفتگو کے بعد آگے بڑھتے ہوئے اب اگر ہم علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ اور علم التذکیر بالموت وما بعدہ کے حوالے سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی بات کریں تو یہاں یہ خیال رکھئے کہ علمائے کرام کی توضیحات کے مطابق موخر الذکر تینوں علوم کی شرح اور متعلقات کا ذکر بنیادی طور پر واعظین اور مبلغین کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور ہمارے ممدوح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی پوری عمر ہی وعظ و تبلیغ کے میدان میں گزری ہے بلکہ برصغیر کے وعظ و تبلیغ کی تاریخ ان کے ذکر جمیل کے بغیر کبھی پوری ہی نہیں ہوتی ہے، گویا کہ موخر الذکر تینوں علوم ان کی عملی جدوجہد کے خصوصی میدان رہے ہیں۔ متذکرہ بالا توضیحات کی روشنی میں اب بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علوم قرآن پر کامل گرفت رکھتے تھے۔

## علم تفسیر:

"تفسیر" میں مادے کے حروف "ف، س، ر" ہیں جن کی ہیئت ترکیبی سے "وضاحت کرنا اور کھول کر بیان کرنا، وغیرہ" کے معانی متبادر ہوتے ہیں، اور چوں کہ علم تفسیر میں قرآنی الفاظ وعبارات کی وضاحت کی جاتی ہے اور ان کے معانی کھول کر بیان کئے جاتے ہیں اس لئے علم تفسیر کو "تفسیر" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لغوی تعبیرات سے آگے بڑھ کر اگر فنی اور اصطلاحی نقطہ نظر سے "تفسیر" کی بات کی جائے تو اصطلاحی طور پر تفسیر: اس علم کو کہتے ہیں جس کے اصولوں کی روشنی میں ہم کلام الہی کو سمجھ سکیں، اس کے مرادات کی توضیح ممکن ہو جائے، اور احکام و حکمتیں استخراج کی جاسکیں۔ اس تعریف کی رو سے علم قرأت، مفردات قرآن کے معانی، الفاظ قرآن کے صرفی احکام، الفاظ قرآن کے نحوی احکام، الفاظ قرآن کے ترکیبی مفاہیم، ناسخ ومنسوخ، اسباب نزول اور آیات قرآنی کی تعریضات وغیرہ علم تفسیر میں شامل ہیں۔ علم تفسیر کے ان بنیادی نکات کو مدنظر رکھ کر ہم ذیل میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مخدوم جہانیاں علم تفسیر پر بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔

### ۱- علم القرأت

علم تفسیر کا ایک اہم جزء "علم القرأت" ہے کیوں کہ علم القرأت ہی کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ قرآن کے ادا کرنے کی کیفیت کیا ہے اور اس میں اتفاقی یا اختلافی صورتیں کیا کیا ہیں؟ علم القرأت میں قرائے عظام کے اختلاف یا اتفاق کی جانکاری کے ساتھ یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ اس کی نقل وروایت قرائے عظام سے صحیح ہو جو صحیح اور متصل سند کے ساتھ حضور اکرم ﷺ سے لی گئی ہو۔ اسی لئے علمائے کرام علم القرأت کی بنیادی شرط یہ بتاتے ہیں کہ روایتیں کتابوں کی بجائے بالمشافہ کسی اہل علم سے لی جائیں۔ اس ضروری وضاحت کے بعد اب مدعے کی بات یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قرأت سبعہ کے ماہر تھے اور انہوں نے یہ مقدس علم صحیح اور متصل سند کے ساتھ علمائے حرمین سے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا: "میں نے حرمین شریفین کے اساتذہ سے ساتوں قرأت کا سماع کیا ہے اور حضور اکرم ﷺ اور ان کے توسط سے اللہ رب العزت تک سند متصل ہے، سو اگر کسی نے مجھ سے قرأت سبعہ کا سماع کیا تو اس کی سند صحیح متصل ہوگی۔"[٦]

## ۲- مفردات قرآن کے معانی:

مفردات قرآن کے معانی و مفاہیم پر درک بھی علم تفسیر کا ایک کلیدی عنصر ہے یعنی مفردات قرآن کے معانی و مطالب پر جس شخص کو رسوخ نہ ہو وہ کبھی بھی قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم کے فضل سے ہمارے ممدوح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو مفردات قرآن پر بھی کمال درجہ کی گرفت حاصل تھی، ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں یہاں چند نظائر پیش کئے دیتے ہیں:

الف: حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی کہتے ہیں: "۴؍ جمادی الاول ۷۸۱ھ بروز جمعہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ کے ساتھ جمعہ کی نماز کوشک شکار میں ادا کی گئی۔ یہ فقیر حضرت کے عقب میں بیٹھا تھا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد خطیب صاحب ممبر پر کھڑے ہوئے اور وعظ کہنا شروع کیا۔ انہوں نے آغاز سخن میں یہ آیت کریمہ پڑھی تھی: {وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً }[البقرۃ: ۲۲]۔ یعنی: اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا۔ دوران وعظ انہوں نے کہا کہ: بارش تو بادلوں سے ہوتی ہے، پھر یہاں آسمان کے ذکر کا کیا مطلب؟ آپ نے برجستہ فرمایا: کلام عرب میں ہر بلند چیز آسمان سے تعبیر کی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے اپنا چہرہ انور میری طرف گھما کر فرمایا: آسمان کا یہ لغت متخلص میں ہے۔ حضرت کی یہ توضیح سن کر خطیب صاحب ممبر سے نیچے اتر آئے اور ان کی قدمبوسی کی۔"[۷]

ب: حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی کہتے ہیں: وضو کے تعلق سے بات نکلی تو آپ نے فرمایا: "طا کے ضمہ کے ساتھ طُھور، طہارت کو کہتے ہیں اور طا کے فتحہ کے ساتھ طَھور پانی کی صفت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: {وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا}[الفرقان: ۴۸] أي طاهرا و مطهرا۔ یعنی: اور ہم نے آسمان سے پاک و پاک کرنے والا پانی اتارا۔"[۸]

ج: حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی کہتے ہیں کہ ایک روز سبق پڑھتے ہوئے جب میں آیت کریمہ {تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا}[التحریم: ۸]۔ یعنی: اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو تمہارے لئے آگے ایک نصیحت بن جائے؛ تک پہنچا تو حضرت نے فرمایا: "نصوح، فعول کے وزن پر ہے جو یہاں بطور مبالغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ اشتقاق کے حوالے سے میں نے اپنے اساتذہ سے تین طرق سنے ہیں۔ پہلا طریق یہ کہ نصوح، النصح بمعنی خلوص سے مشتق ہے؛ دوسرا طریق یہ کہ نصوح، نصح بمعنی وعظ سے مشتق ہے اور تیسرا طریق یہ کہ نصوح، نصاحۃ بمعنی خیاطت سے مشتق ہے۔ اب پہلے طریق کی بنیاد پر معنی ہوگا کہ: تم اللہ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو یعنی ایسی توبہ جو خلوص سے معمور ہو، دوسرے طریق کی بنیاد پر معنی ہوگا کہ: تم اللہ کی بارگاہ میں نصیحت آمیز توبہ کرو یعنی ایسی توبہ جو تمہیں آئندہ گناہوں سے باز رکھے، اور تیسرے طریق کی بنیاد پر معنی ہوگا کہ: تم اللہ کی بارگاہ میں ایسی توبہ کرو جو تمام برائیوں کو سی کر تمہارے دین کو محفوظ کر دے۔ یہاں جو یہ کہتا ہے کہ: نصوح دراصل کسی شخص کا نام ہے، وغیرہ وغیرہ، تو جان لو کہ ایسا کہنا کفر ہے؛ کیوں کہ اگر اس جگہ یہی معنی متصور ہوتا تو نصوح مضاف الیہ بن کر حالت جری میں واقع ہوتا اور توبۃ اس کی طرف مضاف ہوتی، اور عبارت یوں ہوتی:

{تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةَ نَصُوْحٍ} اور ایسی قرأت تو کسی شاذ روایت سے بھی ثابت نہیں ہے۔ اس لئے جو کوئی ایسی بات کہتا ہے وہ گویا حق تعالی کی آیت کو بدل رہا ہے اور بدلنے کے تعلق سے اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ}[البقرۃ: ۱۸۱] یعنی: تو جو وصیت کو سننے کے بعد اسے بدل ڈالے تو اس کا گناہ ان ہی بدلنے والوں پر ہے۔ حق یہ ہے کہ اس جگہ نصوحًا، توبۃً کی صفت ہے اور توبۃً موصوف ہے۔"[۹]

## ۳- الفاظ قرآن کے نحوی احکام:

تفسیر قرآن کا ایک اہم عنصر الفاظ قرآن کے نحوی احکام و تراکیب سے کماحقہ واقفیت بھی ہے یعنی الفاظ قرآن کے نحوی احکام و تراکیب پر کامل گرفت کے بغیر کبھی بھی قرآن حکیم کی صحیح تفسیر نہیں کی جاسکتی۔ اس تناظر میں جب ہم اپنے ممدوح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ذاتی احوال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت میں علم نحو کے بھی ایک ماہر اور ممتاز شخص تھے۔ دعوے کے ثبوت کے لئے ہم ذیل میں چند نمونے پیش کئے دیتے ہیں:

الف: ۱۸؍ ذی قعدہ ۷۸۱ھ بروز اتوار حضرت مخدوم صاحب قبلہ اپنے پوتے حضرت سید حامد رحمہ اللہ کو قرآن پڑھا رہے تھے، جب آیت کریمہ {وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ}[النحل: ۱۸]۔ یعنی: اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: "{اَلْعَدُّ} کا مطلب ہوتا ہے ایک ایک کرکے شمار کرنا، اور {الاحصاء} کا مطلب ہوتا ہے من جملہ

شمار کرنا۔ تو آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم ایک ایک کر کے اللہ کی نعمتیں شمار کروگے تو نعمتوں کی کثرت کی بنا پر انہیں کبھی شمار نہیں کر پاؤگے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہاں {إِن} حرف شرط ہے اور {تَعُدُّوا} فعل شرط ہے۔ یہ {تَعُدُّوا} اصل میں {تَعُدُّوْنَ} تھا، نون کا ساقط ہونا علامت جزم ہے، کیوں کہ یہاں {إِنْ} شرطیہ ہے جو فعل اور جزائے فعل کو جزم دیتا ہے۔ {نِعْمَةَ اللّٰهِ} مضاف و مضاف الیہ ہے۔ {لَا تُحْصُوْهَا} میں {لَا} نہی کا نہیں بلکہ نفی کا ہے جو شرط کی جزاء ہے۔ اصل میں عبارت یوں تھی: {لَا تُحْصُوْنَ}۔ نون کو اس بنیاد پر حذف کر دیا گیا کہ وہ یہاں شرط کی جزاء واقع ہے، اور حرف شرط فعل اور جزائے فعل دونوں کو جزم دیتا ہے، تو گویا یہاں نون کا ساقط ہونا علامت جزمی ہے، کیوں کہ وہ صیغہ جمع ہے۔"[۱۰]

ب: حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے آیت کریمہ {لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ}[الانعام:۱۰۳]

یعنی: نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں اور وہ تمام نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے؛ کی وضاحت کرتے ہوئے ۲۲/ شعبان ۷۸۱ھ بروز جمعہ فرمایا: "الادراك رویة الشئ مع الجوانب والجهات، والله تعالى متعال عن ذلك، والمخلوقات كلها فى الجوانب والجهات فيتحقق الادراك"[۱۱]۔ یعنی تمام جوانب اور جہات کے ساتھ کسی شے کو دیکھنے کا نام ادراک ہے اور اللہ تعالیٰ ان جوانب و جہات سے پاک ہے۔ ہاں! تمام مخلوقات جوانب اور جہات کے ساتھ مقید ہوتی ہیں اس لئے مخلوقات کے حق میں ادراک متحقق ہوگا۔

حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے "ادراک" کا جو مفہوم عربی زبان میں واضح کیا، اگر آپ اُس پر ذرا غور کریں تو عش عش کرتے رہ جائیں گے۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنے مختصر سے جملے میں فقط "ادراک" کا مطلب ہی واضح نہیں کیا بلکہ معراج جسمانی کے منکرین کو بھی ایک دنداں شکن جواب دے دیا ہے؛ کیوں کہ جو لوگ معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں وہ بطور دلیل یہ آیت پیش کر کے کہتے ہیں کہ جب ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ذات باری تعالیٰ کا ادراک ممکن ہی نہیں ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح حالت بیداری میں اللہ عزوجل کا دیدار کر لیا؟ مخدوم صاحب کی توضیح کی رو سے جواب یہ ہے کہ معراج جسمانی کے تعلق سے ہم اہل سنت کا موقف رویت کا ہے، جوانب و جہات کے ساتھ احاطہ کا نہیں۔ اور جو آیت کریمہ آپ نے معراج جسمانی کے انکار پر بطور دلیل پیش کی، اُس میں ادراک یعنی احاطہ کا انکار ہے، رویت محض کا نہیں۔

ج: ۲۲/ شعبان ۷۸۱ھ شب جمعہ کو حضرت مخدوم صاحب قبلہ رحمہ اللہ نے آیت کریمہ {إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ}[الفاطر:۱۰]۔ یعنی: پاکیزہ باتیں اسی کی طرف چڑھتی ہیں اور وہ نیک عمل کو بلند کرتا ہے؛ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: "يَصْعَدُ فعل لازم ہے، سو اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ: پاک باتیں اسی کی طرف چڑھتی ہیں۔ اور يَرْفَعُ فعل متعدی ہے، سو اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ: فرشتے نیک عمل کو اوپر لے جاتے ہیں۔ گویا ذکر بلاواسطہ ہے اور عمل بالواسطہ۔ ذکر واصل بھی ہے اور موصل بھی؛ یعنی وہ خود بھی پہنچتا ہے اور اپنے ہمدم کو بھی پہنچا دیتا ہے۔ یہاں ایک عزیز نے سوال کیا کہ: الکلم جمع ہے جب کہ الطیب واحد، سو اس واحد کو جمع کی صفت بنانا کس طرح درست ہوا؟ جواباً آپ نے فرمایا: یہ طیب اجوف یائی سے فعیل کے وزن پر واقع ہے جس میں یائے اول اصلی ہے اور یائے ثانی زائد، تو یہاں دو یائیں جمع ہو گئیں اور چوں کہ یہ بات ناپسندیدہ ہے اس لئے ایک یاء کو دوسرے یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ سید اور میت کی بھی یہی تعلیل ہے۔ اب سنو! یہ فعیل مذکر و مونث اور واحد و جمع کے درمیان مشترک ہوتا ہے، سو یہاں پر الطیب بھی جمع کے معنی میں ہے لہٰذا اسے جمع کی صفت بنانا درست ثابت ہوا۔"[۱۲]

## ۴- الفاظ قرآن کے صرفی احکام:

قرآن حکیم کی صحیح تفہیم اور تفسیر کے لئے الفاظ قرآن کے صرفی احکام پر بھی گہری نظر کا ہونا بہت ضروری ہے، کیوں کہ اگر احکام صرف پر گہری نظر نہ ہوگی تو الفاظ قرآن کی صحیح حقیقت واضح نہ ہو پائے گی اور پھر نتیجے میں کہیں کا مفہوم کہیں اور پہنچ جائے گا۔ اس قضیہ کے مد نظر جب ہم اپنے ممدوح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں تو حیرت انگیز طور پر ان کے مجلسی بیانات دیگر علوم و فنون کے ساتھ علم صرف کے بھی متعدد اصول و قوانین کی وضاحت پر مبنی نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۷/ ذی قعدہ ۷۸۱ھ بروز منگل چاشت کے وقت آپ نے آیات کریمہ {فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ}[الواقعہ:۸۸-۸۹]۔ یعنی: پھر اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہے تو (اس کے لئے) راحت اور پھول و چین کے باغیچے ہیں، پر گفتگو کرتے ہوئے صوفی کے ماخذ اشتقاق پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ صوفی کے کئی ماخذ اشتقاق کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا: "بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ صوفی صفة سے ماخوذ ہے۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ: صفة تو مضاعف ہے جب کہ یہ صوفی معتل عین، پھر وجہ اشتقاق کس طرح درست ہوگی؟ اس پر آپ نے فرمایا: کلام عرب میں یہ قاعدہ ہے کہ مضاعف کو حرف

علت سے بدل دیتے ہیں، جیسے خطی ہے، کہ یہ اصل میں خطط تھا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:
{قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ☆ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا}[الشمس:۹-۱۰]۔ یعنی: بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو پاک صاف کیا، اور وہ ناکام ہوگیا جس نے اپنے نفس کو معصیت میں چھپایا۔ یہاں "دَسّٰهَا" اصل "دَسَّسَهَا" تھا، دوسرے سین کو حرف علت سے بدل دیا گیا ہے، ولهذا لا يقال له صحيح لصيرورة أحد حرفيه فيه حرف العلة: یعنی "دسها" کو صحیح نہیں کہا جائے گا کیوں کہ اس میں ایک حرف کو حرف علت سے بدل دیا گیا ہے (بنابریں یہ اصلا مضاعف ہی رہے گا)۔ یوں ہی تَقَضّٰی اصل میں تقضض تھا، دوسرے ضاد کو حرف علت سے بدل دیا گیا ہے۔ اس قسم کی نظیریں کلام عرب میں بہت ہیں۔"[۱۳]

۶/ ذی قعدہ ۷۸۱ھ بروز بدھ تہجد کے وقت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے عوارف المعارف کے ایک خاص حصے کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے: {وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى}[النجم:۳-۴]، أي ما يتكلم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بكلام عن هوى النفس۔ یعنی: اور رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ تو وہی کہتے ہیں جو ان کی جانب وحی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: لفظ {اِنْ} کی چار قسمیں ہیں: اول: إن نافيه ہے، دوم: إن شرطيه ہے، سوم: إن مخففة من المثقلة ہے، اور چہارم: اِن زائدہ ہے۔ اب سنیں!

اِن نافیہ کو اس کا نون ظاہر کر کے پڑھا جائے گا، وہ لیس کے معنی میں ہوگا اور اس کے بعد الا واقع ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى}[النجم:۴]، أي ما هو۔ یعنی: وہ تو بس وہی کہتے ہیں جو ان کی جانب وحی کی جاتی ہے۔

اِن شرطیہ میں نون کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ اسے چھپا کر پڑھتے ہیں۔ اگر فعل مستقبل ہو تو یہ اِن شرطیہ فعل اور جزائے فعل دونوں کو جزم دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: {اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ}[النساء:۱۳۳]۔ یعنی: اگر اللہ چاہے تو تمہیں اس دنیا سے لے جائے۔ یہاں پر دونوں افعال مستقبل کے ہیں جن میں سے پہلا فعل شرط ہے اور دوسرا اس کی جزا، اس لئے دونوں کو اِن شرطیہ نے جزم دیا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر اِن شرطیہ فعل ماضی پر داخل ہو اور اس کی جزا بھی فعل ماضی ہو تو دونوں اپنے حال پر برقرار رہیں گے، کیوں کہ صیغہ ماضی میں لفظا جزم نہیں آتا (بلکہ وہاں جزم پوشیدہ ہوتا ہے) اس لئے صیغہائے ماضی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا مگر یہ اِن شرطیہ انہیں مستقبل کے معنی میں کر دے گا؛ اور اگر شرط فعل مضارع ہو اور جزاء فعل ماضی تو یہ اِن شرطیہ مضارع کو ضرور جزم دے گا (اور ماضی کو اپنے حال پر چھوڑ دے گا)۔"[۱۴]

نوٹ: اِن نافیہ اور اِن شرطیہ کی تفصیلات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مخدوم صاحب نے قرآنی امثال اور کلام عرب کے ذریعے اِن مخففۃ من المثقلۃ اور اِن زائدہ کو بھی سمجھایا ہے، طوالت کی وجہ سے ہم یہاں انہیں نقل نہیں کر رہے ہیں، اگر آپ تفصیلات کے طالب ہیں تو اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اِن شرطیہ کی تفہیم کے دوران بھی حضرت مخدوم صاحب نے کچھ قرآنی امثال و نظائر پیش کئے تھے، طوالت کے خوف سے ہم نے انہیں یہاں حذف کر دیا ہے۔

## ۵- اسباب نزول:

تفہیم قرآن کا ایک اہم ترین عنصر "اسباب نزول" بھی ہے جسے شان نزول سے بھی تعبیر کرتے ہیں، یعنی آیت کریمہ کیوں نازل ہوئی؟ کب نازل ہوئی؟ اور کن حالات میں نازل ہوئی؟ مفہوم آیت کی تعیین کے لیے ان باتوں کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ علمائے کرام نے تفسیر کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اسباب نزول کے تیئں باقاعدہ جداگانہ ابواب قائم کئے ہیں بلکہ کئی حضرات نے تو اس عنوان پر مستقل تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہوئی ہیں۔ امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء) کی "الاتقان" میں درج کی گئی تفصیلات کے مطابق اس موضوع پر جو کتاب سب سے پہلے لکھی گئی وہ امام ابوالحسن علی بن عبداللہ مدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) کی تھی۔ امام مدینی کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبل، امام محمد بن یحیی ذہلی، امام بخاری اور امام ابوحاتم رازی جیسے اعلام رجال کے شیخ ہیں۔ خیر! کہنے کا منشا یہ ہے کہ علم تفسیر میں اسباب نزول کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے ممدوح حضرت سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو اسباب نزول پر بھی مکمل گرفت حاصل تھی۔ اگر آپ ان کے ملفوظات یا نجی تحریروں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو جابجا ہمارے اس دعوے کی دلیلیں بکھری نظر آئیں گی۔ بطور مثال ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ممدوح کے چہیتے شاگرد حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی ۲۱/ ذی قعدہ ۷۸۱ھ کی شب چہار شنبہ کی ایک مجلس کا حال بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مخدوم صاحب نے اعمال کے تولے جانے کے مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے یہ آیات کریمہ پڑھیں: {فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۔ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۔ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا }[مریم:۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱]۔یعنی: تو (اے محبوب) آپ کے رب کی قسم! ہم انہیں اور (ان کو بہکانے والے) شیاطین کو ضرور جمع کریں گے اور انہیں گھٹنوں کے بل پر جہنم کے ارد گرد ضرور حاضر کریں گے؛ پھر ہم ہر جماعت سے ضرور اسے باہر نکالیں گے جو ان سب میں رحمن پر سب سے زیادہ جسارت کرتا تھا؛ پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں تپائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں؛ اور تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جسے دوزخ پر سے نہیں گزرنا ہے، یہ بات آپ کے رب پر لازم اور فیصلہ شدہ ہے۔۔۔۔ یہاں آیت نمبر ۷۱ر میں {اِنْ} نافیہ ہے کیوں کہ اس کے بعد {اِلَّا} واقع ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت زیادہ ڈر گئے تو ان کی تسکین خاطر کے لئے یہ دوسری آیت نازل ہوئی: {ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا }[مریم:۷۲]۔یعنی: پھر ہم تقوی شعار لوگوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو جہنم ہی میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔"[۱۵]

## ۶- تفسیر بالآیات:

قرآن کریم کی تفسیر کے کئی طریقے ہیں جن میں پہلا طریقہ "تفسیر بالآیات" ہے، یعنی ایک مجمل آیت کی تفسیر دوسری مفصل آیت کے ذریعے کر دی جائے۔ حضرت علامہ سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو تمام طرق تفسیر پر عبور حاصل تھا، سر دست تفسیر بالآیات کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ ۲۴ر ذی قعدہ ۷۸۱ھ بروز شنبہ بعد نماز اشراق توکل کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: "بعض درویش ایسے ہیں جو اللہ تعالی سے بھی کچھ نہیں مانگتے، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا }[ھود:۶]۔

یعنی: اور زمین پر کوئی ایسا چلنے والا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: یہاں رزق سے مراد صرف کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ رزق سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی جانب سے بندے کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: {قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا، هُوَ مَوْلٰنَا، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ }[التوبۃ:۵۱]۔یعنی: (اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، وہ ہمارا مولی ہے، اور مومنین کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ یہاں مومن لفظ عام ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ }[النساء:۷۸]۔یعنی: (اے نبی!) آپ فرما دیں کہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔"[۱۶]

نوٹ:

حضرت مخدوم صاحب کے امالی کے اندر ہمیں کئی مقامات پر تفسیر بالحدیث اور تفسیر بآثار الصحابہ کے نمونے بھی نظر آئے تاہم یہاں ہم نے بخوف طوالت ان تمام نمونوں کی نقل آرائی سے احتراز کیا ہے۔ علم تفسیر کے تعلق سے ایک خاص بات جو ہم نے حضرت مخدوم صاحب کے یہاں مارک کی ،وہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم صاحب بنیادی طور پر "تفسیر بالماثور" کے پابند نظر آتے ہیں؛ یعنی قرآن، احادیث نبوی ﷺ اور اقوال صحابہ و تابعین ہی سے تفسیر کرنا ان کا شعار رہا ہے۔ اگر احادیث نبوی ﷺ اور اقوال صحابہ و تابعین کی بات کریں تو ظاہر ہے کہ فنی اصولوں کے مطابق ان ماخذ کے ذریعے تفسیر کی صورت میں ان کی سندی حیثیتوں کی تحقیق اور جانچ بہت ضروری ہے، یعنی اگر یہ ماخذ سند صحیح سے ثابت ہوں تو ان کے ذریعے کی گئی تفسیر قابل قبول ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اس نکتے کو مد نظر رکھ کر بھی حضرت مخدوم صاحب کی بیان کردہ تفاسیر کو ہم نے جانچنے کی کوشش کی تو یہ پایا کہ سندی حیثیتوں کی جانچ پرکھ کے سلسلے میں بھی وہ کافی محتاط رویہ رکھتے تھے جو ان کی بیان کردہ تفاسیر کو بلاشبہ فنی نقطہ نظر سے ایک اعتباری حیثیت عطا کرتا ہے۔

## علم حدیث:

علم حدیث حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا خاص میدان رہا ہے۔ علم حدیث میں آپ کی گرفت و مہارت کا یہ حال تھا کہ اکابر علماء آپ کی جانب رجوع کیا کرتے تھے اور آپ بروقت بتا دیا کرتے تھے کہ متعلقہ عبارت فی الواقع حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آیا وہ صحاح میں بھی موجود ہے؟ اس کا درجہ کیا ہے؟ علماء نے اس کے بارے میں کہیں کلام تو نہیں کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مخدوم صاحب کے چند اساتذہ کے نام تراجم و طبقات کی کتابوں میں ملتے تو ہیں لیکن تقریباً وہ تمام حضرات خطہ اوچ سے تعلق رکھنے والے تھے، جب کہ آپ

کے امالی کا معروضی مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے حرمین شریفین اور دیگر بلادِ اسلامی میں بھی ایک اچھا خاصا وقت گزارا تھا اور اس دوران آپ نے اُن محدثین سے حدیث سماعت کی جو "اَخبرنا" اور "حدثنا" کہہ کر حدیث پڑھایا کرتے تھے مگر بدقسمتی سے آج کہیں بھی آپ کی سندیں کہیں محفوظ نظر نہیں آتیں۔

خیر! کہنے کا منشا یہ ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ ایک باکمال محدث بھی تھے۔ حدیث نبوی ﷺ پر ان کی گرفت کے حوالے سے یہاں ہم دو مختصر نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت مخدوم صاحب قبلہ کو حدیث کی گہری سمجھ تھی، وہ برووقت احادیث کی اتنی خوبصورت تشریح کیا کرتے تھے کہ طبیعت مچل جاتی تھی۔ چنانچہ مولانا احمد برنی لکھتے ہیں: "سید قاسم نے حضرت سید السادات سے سوال کیا کہ: ملک ہندوستان کے بہت سے معزز، اکابر اور بزرگ حضرات بہت سی باتیں اچھی جانتے ہیں، اچھی خیال کرتے ہیں تو کیا وہ باتیں مستحسن ہوں گی؟ کیوں کہ: قال النبی ﷺ: ما رآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

یعنی: نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: اہل ایمان جو بات اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اس سوال کا جواب کا دیتے ہوئے حضرت سید السادات نے فرمایا کہ: حدیث میں مومنین سے مراد سے خلفاء راشدین اور آئمہ مذاہب دین ہیں، نہ کہ عوام الناس۔ کیا خیال ہے تمہارا فحاشی میں ڈوبی ہوئی دنیا کے بارے میں؟ دین اسلام میں شراب بیچنا اور شراب پینا حرام ہے، آدمیوں کو خصی کرنا حرام ہے، خدمت کا حکم دینا جائز نہیں ہے مگر بادشاہ و سلاطین یہ سب کرتے ہیں؛ یوں ہی وہ سود کھاتے ہیں، سود دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں؛ ماتم کے وقت نوحہ کرتے ہیں، راگ چھیڑتے ہیں اور راگ سنتے ہیں؛ جب کہ یہ اور اس قسم کی دوسری تمام باتیں حرام ہیں؛ سو عام مسلمان جو کچھ کریں وہ حجت نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور غیر شرعی کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو، چنانچہ فرمایا گیا: {وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ}[المائدۃ:۲]

یعنی: نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔"[۱۷]

نوٹ:

حضرت مخدوم صاحب کی توضیح سے ہٹ کر یہاں راقم کی بھی چند توضیحات ہیں: (۱) پہلی توضیح یہ کہ سوال میں حدیث مذکور کو بحیثیت مرفوع پیش کیا گیا ہے یعنی اس حدیث کی نسبت براہ راست رسول اللہ ﷺ کی جانب کی گئی ہے جب کہ راقم سطور کی جستجو کے مطابق یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے جس کی سند حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا سوال میں "قال النبی ﷺ" کہنا ایک صریح غلطی ہے۔ دوسری توضیح یہ کہ امام سخاوی نے "المقاصد الحسنة" میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: أحمد فی کتاب السنة، و وهم من عزاه للمسند۔ یعنی یہ حدیث امام احمد نے کتاب السنۃ میں نقل کی ہے، اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ امام احمد نے یہ حدیث اپنی مسند میں بیان کی ہے انہیں وہم ہوا ہے۔ یہاں لگتا ہے کہ امام موصوف نے مسند امام احمد کی جانب اس حدیث کی نسبت کو "وہم" قرار دینے میں ذرا عجلت سے کام لیا ہے کیوں کہ امام احمد بن حنبل نے فی الواقع یہ حدیث اپنی مسند میں "عن أبي بكر عن عاصم عن زِرّ بن حبيش عن عبد الله بن مسعود" نقل کی ہے (الرقم: ۳۶۰۰)۔ تیسری بات یہ کہ امام احمد کے علاوہ اس حدیث کو امام بزار، امام طبرانی، امام ابو نعیم، امام ہیثمی اور امام بغوی وغیرہم نے بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ مولانا سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف حسینی علم حدیث پر حضرت مخدوم صاحب قبلہ کی گرفت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایک عزیز نے سوال کیا کہ سماع آخر کس بنیاد پر ممنوع ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس رباعی کا سننا مروی ہے:

قد لسعت حية الهوى كبدی
فلا طبيب لها ولا راقی
الا الطبيب الذی شغفت به
فعنده رقيتی و ترياقی

میرے جگر کو خواہشات کے سانپ نے ڈس لیا ہے تو اس کے لئے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ ہی کوئی منتر ساز؛ سوائے اُس طبیب کے جس پر میرا دل فدا ہے، تو اسی کے پاس میرے (درد کا) منتر بھی ہے اور زہر مہرہ بھی۔

حضرت مخدوم صاحب نے جواباً فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بر طریق احتمال غیر صحیح ہے اور احتمال کو ترک کرنا واجب ہے۔"[۱۸]

پیشِ نظر حدیث کی فنی حیثیت پر گفتگو کرنے سے پہلے پوری روایت ملاحظہ فرمالیجئے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے۔ وہ کہتے ہیں:
"ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک آپ کی امت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اور یہ (محشر کا) نصف یوم ہوگا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا:

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی
فلا طبیب لھا ولا راقی
الا الطبیب الذی شغفت بہ
فعندہ رقیتی و تریاقی

میرے جگر کو خواہشات کے سانپ نے ڈس لیا ہے تو اس کیلئے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ ہی کوئی منتر ساز۔ سوائے اُس طبیب کے جس پر میرا دل فریفتہ ہے، تو اسی کے پاس میرے (درد کا) منتر بھی ہے اور زہر مہرہ بھی۔۔۔۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ وجد میں آگئے اور آپ کے اصحاب بھی۔
یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے شانہ مبارک سے چادر گر گئی۔ جب وہ لوگ پرسکون ہوئے تو تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر معاویہ بن أبی سفیان نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ لوگوں کا کھیل کتنا اچھا تھا؛ آپ نے فرمایا: اے معاویہ! رک جاؤ، وہ شخص کریم نہیں ہے جو ذکر حبیب کے سماع کے وقت جھوم نہ اٹھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کے درمیان چار سو ٹکروں میں اپنی چادر تقسیم فرمادی۔" [۱۹]
مذکورہ بالا حدیث کو نقل کرنے کے بعد حدیث کی فنی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی شافعی لکھتے ہیں: "اس حدیث کو حافظ ابن طاہر نے نقل کیا ہے، اور یہ حدیث باطل ہے۔ حافظ ابوموسی مدینی نے کہا ہے کہ: بہت سے اہل علم نے ابن طاہر کی اسی لئے عیب زنی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث اپنی کتاب میں پیش کی ہے۔ شیخ الاسلام ابوالفرج عبدالرحمن بن ابی عمر مقدسی سے جب اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے لکھا: اس روایت کے ماحصل سے واقف شخص پر یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ضعیف ہیں، اس کے اشعار لفظوں کے پھیلاؤ کے اعتبار سے اشعارِ عرب سے متباین ہیں اور چونکہ اضاعت مال پر صحت کے ساتھ نہی وارد ہے لھذا یہ حدیث اس کی بھی منافی ہے، اور دل اس کی جانب رغبت بھی نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام نووی سے پوچھا گیا تو انہوں نے لکھا: یہ حدیث باطل ہے اور اسے روایت کرنا اور نبی ﷺ کی جانب منسوب کرنا جائز نہیں ہے، اور جو اسے روایت کرے اُسے سخت قابل عبرت سزا دی جائے۔ اور عوارف المعارف وغیرہ میں اس روایت کے موجود ہونے کی وجہ سے اترانا نہیں چاہئے کیونکہ صاحب عوارف المعارف کا خود کہنا ہے کہ: میرے دل کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور دل اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں: حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے عمار بن اسحاق کے، تو گویا عمار بن اسحاق ہی نے یہ حدیث وضع کی ہے۔ واللہ تعالی أعلم۔" [۲۰]
مذکورہ بالا توضیحات کو دیکھ کر اب آپ خود ہی اندازہ لگالیجئے کہ علم حدیث پر حضرت مخدوم صاحب کی گرفت کتنی مضبوط تھی؟ آپ رحمہ اللہ کے سامنے جوں ہی اس موضوع حدیث کا حوالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فوراً اپنے مختصر لفظوں میں فرمادیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہ بس ایک ہی مثال نہیں ہے بلکہ اس قسم کی اور بھی مثالیں آپ کے امالی کے اندر موجود ہیں جنہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کو علم حدیث پر بھی کامل گرفت حاصل تھی۔

## علم فقہ:

یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ علم فقہ حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا خصوصی میدان تھا۔ وہ فقیہ پہلے تھے، صوفی بعد میں تھے۔ ان کی کوئی بھی تحریر یا مجلس ایسی نہیں ملتی جس میں علم فقہ کے حیرت انگیز نمونے نظر نہ آتے ہوں۔ علم فقہ پر ان کی مہارت کا حال یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں تو حنفی ہونے کی حیثیت سے امام ابوحنیفہ کے موقف کی وضاحت کے ساتھ دیگر آئمہ کے اقوال و دلائل کی وضاحت بھی فرماتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے امالی کے اندر ہمیں متعدد مقامات ایسے نظر آئے جہاں ان سے کوئی ادق ترین مسئلہ دریافت کیا گیا لیکن انہوں نے وہ مسئلہ اس طرح واضح فرمادیا جیسے کہ اس میں کوئی دقت یا اشکال والی بات ہی نہیں تھی۔ چنانچہ ۱۷/ شوال المکرم ۷۸۱ھ بروز جمعرات ایک

شخص نے سوال کیا کہ: "اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ اگر اس کی بیوی گھر کے اندر آجائے تو اسے تین طلاق؛ تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ آپ نے جواب دیا: حیلہ ہے، اور وہ یہ کہ وہ شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے جس سے وہ عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر وہ عورت گھر کے اندر جائے، اس طرح تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ اب وہ شخص از سر نو اس سے نکاح کر لے۔"[۲۱]

یوں ہی ۱۴/ ذی قعدہ ۷۸۱ھ بروز منگل حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "اگر کسی نے {مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ}[الجمعۃ:۹] کو میم کے سکون کے ساتھ {مِنْ يَّوْمِ الْجُمْعَةِ} پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کتاب میں ہے: لو قرأ {مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ} بسكون الميم فسدت صلوته لتغير المعنى من الفاعل الى المفعول، لأنه جامع لا مجموع، وجاء بسكون الميم قراءة شاذة۔

یعنی: اگر کسی نے {مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ} میں {الْجُمُعَةِ} کو میم کے سکون کے ساتھ {الْجُمْعَةِ} پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ اس صورت میں لفظ کا مفہوم فاعل سے بدل کر مفعول کی جانب منتقل ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ جمعہ لوگوں کو جمع کرنے والا ہے نہ کہ وہ خود جمع شدہ ہے۔ اور یہ {الْجُمْعَةِ} جو ایک قرأت میں میم کے سکون کے ساتھ آیا ہے وہ شاذ ہے۔ اسی مناسبت سے مخدوم صاحب نے یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ: میں نے ایک دن ایک ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جس نے {الْجُمُعَةِ} کو میم کے سکون کے ساتھ {الْجُمْعَةِ} پڑھا، میں نے نماز توڑ دی اور کہا کہ: نماز فاسد ہو گئی، دوبارہ پڑھی جائے؛ اور یہی مسئلہ بیان کیا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا: الفعلة بسكون العين مفعول وضم العين فاعل، وبفتح الفاء وسكون العين للمرة وبكسر الفاء وسكون العين للحالة۔ یعنی: فعلة: سکون عین کے ساتھ مفعول ہے جب کہ عین کے ضمہ کے ساتھ فاعل ہے، یوں ہی فاء کے فتحہ اور عین کے سکون کے ساتھ مرۃ کو بتانے کے لئے آتا ہے جب کہ فاء کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ حالت کو بتانے کے لئے آتا ہے۔"[۲۲]

## ذوق فقہی:

ہم نے علم فقہ پر گفتگو کے آغاز ہی میں یہ عرض کیا تھا کہ علم فقہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ کی دلچسپی کا خصوصی کا میدان رہا ہے، اور یقین جانئے کہ ہم نے یہ بات محض عقیدت یا جملہ آرائی کے طور پر نہیں کہی تھی بلکہ زمینی حقیقت بھی اسی بات پر دال ہے۔ آپ حضرت مخدوم صاحب کے معتبر مجموعہ ملفوظات "خلاصة الالفاظ" کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے، کوئی بھی مجلس آپ کو ایسی نظر نہیں آئے گی جس میں حضرت مخدوم صاحب نے فقہی اصول وضوابط یا فقہی احکام کے تعلق سے گفتگو نہ فرمائی ہو۔ فقہ کے ساتھ آپ کی وابستگی کا یہ حال تھا کہ آپ اپنے مریدین کو بھی ارادت کے وقت حسب حال خصوصیت کے ساتھ حصول فقہ کی تاکید کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ۵/ شعبان المعظم ۷۸۱ھ بدھ کی شب دو لوگوں نے آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا جن میں سے ایک طالب علم تھا اور دوسرا حافظ قرآن۔ آپ نے حافظ قرآن سے فرمایا: "آپ علم فقہ حاصل کیجئے، کیوں کہ فقہ کا حصول فرض ہے۔ حافظ کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ عالم بھی ہو تا کہ شرع کے احکام اور حکمتیں اس پر وا ہو جائیں، ورنہ بھلا اُسے کیا معلوم ہو پائے گا؟"[۲۳]

## مذاہب اربعہ پر نگاہ:

راقم سطور نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت پر مطالعہ کے دوران یہ بات ہمیشہ محسوس کی کہ وہ چاروں فقہی مذاہب پر کمال کی نظر رکھتے تھے۔ جہاں کہیں بھی کوئی مسئلہ زیر بحث آتا ہے وہ امام ابو حنیفہ (م:۱۵۰ھ) کے مقلد کی حیثیت سے مذہب حنفی کی توضیح کے ساتھ بقیہ تینوں مذاہب کی بھی وضاحت کرتے جاتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمالیں:

۱- مولانا سید علاء الدین حسینی لکھتے ہیں: "۲۲/ رمضان المبارک ۷۸۱ھ کو ایک شخص قبول اسلام کی نیت سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے عربی زبان میں اسے تلقین کی، کیوں کہ عرب میں اسلام کی تلقین اسی طریقے پر کرتے ہیں: ما أمرني الله تعالى قبلته، وما نهاني عنه فانتهيته۔ یعنی: اللہ تعالی نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے وہ میں نے قبول کی اور جس بات سے مجھے روکا ہے اُس سے میں رک گیا۔ اس کے بعد آپ نے اُس مولائے اسلام کو کپڑے پہنائے، اور پھر اس سے پوچھا: سر دھویا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی، میں نے دھولیا ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: اگر ناپاک شخص اسلام قبول کرے تو غسل اس پر واجب ہے، ورنہ مستحب ہے۔ کتاب میں ہے: و وجب من أسلم جنبا والا ندب۔ یعنی: اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اسلام

قبول کیا تو اس پر غسل واجب ہے، ورنہ مستحب ہے۔ وقال مالك و أحمد بن حنبل رحمهما الله تعالى: ان لم يكن جنبا وجب۔ البتہ یہاں امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالی کا موقف یہ ہے کہ اگرچہ نو مسلم ناپاک نہ ہو پھر بھی اس پر غسل واجب ہے۔ بعد ازاں! آپ نے ایک صاحب سے فرمایا کہ: اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور کچھ قرآن پڑھنا سکھادو تا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قول پر اس کے لئے نماز پڑھنا درست ہوجائے۔"[۲۴]

۲-ایک شخص نے حضرت مخدوم صاحب سے سوال کیا کہ: "کمبل پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ آپ نے جوابا فرمایا: يجوز عندنا وعند الشافعي وعند أحمد بن حنبل خلافا لمالك، فانه يقول: اذا كان الكساء ثمينا يكره الصلوة عليه، واذا كان رقيقا بحيث يصل شده الأرض في جبهته لا يكره عنده۔ یعنی: ہمارے نزدیک، یوں ہی امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے، البتہ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: کمبل اگر موٹا ہو تو اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اگر اتنا پتلا ہو کہ زمین کی سختی پیشانی میں محسوس کی جاسکے تو ایسے کمبل پر ان کے نزدیک بھی نماز مکروہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: اتنے موٹے کمبل دمشق میں ہوتے ہیں، ہمارے یہاں نہیں ہوتے؛ اور چوں کہ اگر کمبل اتنے باریک ہوں کہ اس پر زمین کی سختی پیشانی میں محسوس ہو تو اس پر بالاتفاق نماز مکروہ نہیں ہے لہذا ہمارے یہاں کے کمبلوں پر بالاتفاق نماز درست ہے۔"[۲۵]

۳-ایک شخص نے حضرت مخدوم صاحب سے سوال کیا کہ: "خير من الدنيا وما فيها کا کیا معنی ھے؟ آپ نے جواب دیا: یہاں پر لفظ ما عام ہے جو ہر شے کو شامل ہے، سو جو کچھ بھی ہے سب کو یہ شامل ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا:

ويكتفي الامام بالتسميع
في رفعه الرأس من الركوع

یعنی: اور امام رکوع سے سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفا کرے (اُسے ربنا لك الحمد کہنے کی حاجت نہیں)۔ وهذا القول أصح والمختار وعليه الفتوى والاعتماد، لأن الامام معلم القوم، لقوله: ربنا لك الحمد، والمعنى سمع الله لمن حمده أي قبل الله حمد من حمده، ألا ترى بأن يقال: فلان سمع قول فلان أي قبل. والمنفرد يجمع بينهما في الأصح، و كذلك المتنفل، وعلى قول صاحبيه أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى يجمع بينهما مفترضا كان أو متنفلا، اماما كان أو مقتديا، لكن الفتوى على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

یعنی: صحیح تر و مختار قول یہی ہے اور فتوی و اعتماد اسی پر ہے، کیوں کہ امام قوم کا معلم ہے جو انہیں ربنا لک الحمد کہنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ کا معنی یہ ہے کہ: اللہ تعالی اس کی حمد و ثنا قبول فرمائے جس نے اس کی حمد و ثنا بیان کی۔ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جب بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ: فلاں نے فلاں کی بات سن لی، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں کی بات قبول کرلی۔ صحیح قول کے مطابق منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والا سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہے گا، یہی حکم نفل پڑھنے والے کے لئے بھی ہے۔

یہاں صاحبین یعنی امام ابویوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ مصلی خواہ فرض ادا کر رہا ہو یا نفل، امام ہو یا مقتدی، وہ بہرحال سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہے گا؛ تاہم فتوی صاحب مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے قول پر ہے۔ یہاں پر حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا: میں نے مشائخ حرمین سے سنا ہے کہ جب امام دوسروں کو ربنا لک الحمد کہنے پر برانگیختہ کر رہا ہے تو سب سے پہلے اسی کو چاہئے کہ وہ خود ربنا لک الحمد کہے۔ ان مشائخ کا یہ قول صاحبین کے موافق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ} [البقرة، ۴۴]

یعنی: کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟ یعنی: مشائخ حرمین کا موقف یہ ہے کہ امام سمع الله لمن حمده کے ساتھ ربنا لك الحمد بھی کہے، کیوں کہ جب وہ کسی بات پر دوسروں کو برانگیختہ کر رہا ہے تو چاہئے کہ پہلے وہ خود اس پر عمل کرے، کیوں کہ جب معلم ہی عمل نہیں کرے گا تو متعلم کیا عمل کرے گا؟ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا:

لو اكتفى بالأنف في سجدة
جاز بلاعذر في جبهة

یعنی: اگر نماز ادا کرنے والا کسی عذر کے بغیر بھی سجدہ کے وقت محض ناک پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے۔ ولکن یکرہ لمخالفة السنة ولایقبل، وعلی قول صاحبیه أبي یوسف و محمد والشافعي رحمهم الله تعالی: لا یجوز السجدة بالأنف الا من عذر، حتی لو سجد علی کور عمامته أو فاضل ثوبه جاز عند أبي حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی، خلافا لأبي یوسف والشافعي لأن وضع الجبهة فی السجدة عندهما فرض، فلا یجوز الصلوة بترکهما، لأن الجبهة من شرائط الصلوة، لأن السجدة فی سبعة: الجبهة مع الأنف والیدین والرکبتین والرجلین، حتی لو رفع المصلی فی سجدة واحدا منها لا یجوز الصلوة عندهما وعند الشافعي رحمه الله تعالی الا من عذر، لأن کل ذلك عندهما فریضة، وعند أبي حنیفة رحمه الله یجوز ویکره، لأن کل ذلك عنده سنة، والأصح ذلك۔

یعنی: اگر نماز ادا کرنے والا سجدہ کے وقت کسی عذر کے بغیر محض ناک پر اکتفا کرے تو (امام ابوحنیفہ کے نزدیک) اس کی نماز ہوجائے گی البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کی نماز مکروہ اور ناپسندیدہ ہوگی۔ یہاں صاحبین یعنی امام ابویوسف اور امام محمد، یوں ہی امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ کسی عذر کے بغیر محض ناک پر سجدہ جائز نہیں ہے، ہاں! اگر عذر ہو تو کوئی بات نہیں؛ پس اگر کسی نے عمامہ کے پیچ یا کپڑوں کے زائد حصے پر سجدہ کیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز ہوگا (یہاں امام محمد کے حق میں جواز کا قول ماقبل کی توضیحات سے متعارض معلوم ہورہا ہے: میزان)، البتہ اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی اختلاف کرتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں کے نزدیک سجدے میں پیشانی کا لگنا فرض ہے، تو گویا ان کے نزدیک زمین کے ساتھ ناک اور پیشانی کے لگے بغیر نماز ہوگی ہی نہیں، کیوں کہ پیشانی کا لگنا شرائطِ نماز میں سے ہے۔ دراصل سجدہ سات باتوں کے ساتھ مل کر متحقق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے: پیشانی کے ساتھ ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں (زمین پر لگیں)۔ سو اگر نماز پڑھنے والے نے سجدے میں ان میں سے کسی ایک کو بھی اٹھایا تو صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک نماز نہیں ہوگی، ہاں! اگر عذر ہو تو کوئی بات نہیں؛ کیوں کہ ان کے یہاں پیشانی کا بھی زمین پر لگنا فرض ہے؛ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ نماز ہوجائے گی کیوں کہ یہ تمام باتیں ان کے نزدیک سنت ہیں، اور قول اصح یہی ہے۔"[۲۶]

## فقہی مذہب:

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ کا فقہی مذہب حنفی تھا یعنی آپ فقہی مسائل میں سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ تعالی کی تقلید کرتے تھے۔ اس تعلق سے لطائف اشرفی میں ہے، حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ (۷۱۲-۸۳۲ھ/ ۱۳۱۳-۱۴۲۹ء) نے فرمایا: "آپ کا مسلک حنفی تھا۔"[۲۷]

سراج الہدایہ میں ہے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ نے خود فرمایا: "اللہ سبحانہ وتعالی کا بے انتہا شکر ہے جس نے ہمیں پردہ عدم سے نکال کر موجود بنایا اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی امت میں ظاہر کیا جو بہترین امت ہے۔ ارشاد باری تعالی: {كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ} [آل عمران: ۱۱۰]

یعنی: تم امتوں میں بہتر ہو؛ یوں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں داخل کیا اور امام ابوحنیفہ کوفی طاب ثراہ کے مذہب میں باندھ دیا۔"[۲۸]

علاوہ ازیں! اگر آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے امالی کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے جو احکام و مسائل بیان کئے وہ امام ابوحنیفہ ہی کے مسلک پر بیان کئے اور ان مسائل کو بیان کرتے ہوئے آپ نے اکثر "عندنا" کا لفظ استعمال کیا۔ بیان مسائل کا یہ انداز واضح طور پر بتارہا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل پیرا تھے۔

## فقہی مسائل پر عمل کے تئیں حضرت کا معمول:

ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ بنیادی طور پر حنفی تھے مگر فقہی مسائل میں عمل کے تئیں آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ حتی الامکان چاروں مذاہب پر ایک ساتھ عمل ہوجائے، یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی مخالفت بھی نہ ہو اور بقیہ آئمہ ثلثہ کے اقوال پر بھی عمل کرلیا جائے۔ چنانچہ حضرت مخدوم صاحب کے چہیتے شاگرد حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے مجھ سے فرمایا: "فرزند من! جو کچھ تم نے فقہ حاصل کی ہے اس کی روشنی میں کوشش کرو کہ فرائض و سنن کے معاملے میں چاروں مذاہب پر بالاتفاق عمل ہوجائے۔ میں نے عرض کیا: اس پر تھوڑی روشنی اور ڈالیں تاکہ بات دل میں بیٹھ جائے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، سنو! امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے قول کے مطابق امام و مقتدی دونوں پر فاتحہ فرض ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا بھی واجب ہے؛ چنانچہ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں،

رسول ﷺ نے فرمایا: **لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب وضم سورۃ معھا۔**
یعنی: سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت ملائے بغیر نماز کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بنابریں اِس دعا گو نے امام سے کہہ دیا ہے کہ وہ جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے مابین وہ دعا پڑھا کرے جو عوارف میں مروی ہے تاکہ جب تک وہ دعا پڑھے، میں امام شافعی کے قول پر عمل کرتے ہوئے سورہ فاتحہ پڑھ لوں، اور یوں استماع وانصات پر بھی عمل ہو جائے؛ یوں ہی امام شافعی کے قول پر مسح سر کی نیت شرط ہے اور امام مالک کے قول پر پورے سر کا مسح فرض ہے، وہ آیت کریمہ {وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ}[المائدۃ:٦]یعنی: اور تم اپنے سروں کا مسح کرو؛ کے اطلاق سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ یوں ہی نواقض وضو کے سلسلے میں امام شافعی نے ہمارے امام سے دو باتیں زائد بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ کہ ہاتھ یا بدن اپنی شرمگاہ تک پہنچ جائے خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا شہوت کے بغیر، اور دوم یہ کہ عورت کو اپنے ہاتھ سے پکڑے، تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہاں امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر یہ دو باتیں شہوت کے ساتھ واقع ہوں تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ فرزند! ان مسائل میں کوشش کرو کہ چاروں مذاہب کے فرائض پر بالاتفاق عمل ہو جائے تاکہ جس مذہب کا بھی پیروکار آئے وہ تمہاری اقتدا کر سکے۔"[٢٩]

## کتب فقہ:

سراج الہدایہ، حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ کا ایک مجموعہ ملفوظات ہے۔ راقم سطور نے قبل ازیں سراج الہدایہ کے تعارف پر ایک مقالہ تحریر کیا تھا جس میں فقہی مسائل واحکام پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کتابوں کو بھی شمار کرنے کی کوشش کی تھی جو بطور حوالہ پیش کی گئی تھیں۔ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بیان مسائل کے دوران برمحل آپ نے فقہ وفتاوی سے متعلق جو کتابیں بطور حوالہ پیش کی ہیں وہ سو کے آس پاس تھیں۔ کوئی شک نہیں کہ مجلسی گفتگو میں برجستہ ایک خاص فن سے متعلق اتنی کتابیں بطور حوالہ پیش کر دینا درشا رہا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ فی الواقع علم فقہ پر نہایت ہی محققانہ نظر رکھتے تھے۔ بطور حوالہ پیش کی گئی کتابیں یہ ہیں:

(١) فتاوی خانیہ، (٢) المحیط، (٣) فتاوی السراجیہ، (٤) فتاوی الحجۃ، (٥) الحقائق (٦) فتاوی باخرزی، (٧) مختار الفتاوی، (٨) مدارک التنزیل (٩) ارشاد المریدین، (١٠) المبسوط، (١١) کفایت الفقھاء، (١٢) نوادر الھشام، (١٣) عمدۃ، (١٤) المشورۃ، (١٥) ہدایہ، (١٦) آداب المریدین، (١٧) مرصاد العباد، (١٨) فتاوی ظہیریہ، (١٩) شرح العقائد (٢٠) الکفایۃ (٢١) ترغیب الصلوۃ (٢٢) شرح الطحاوی (٢٣) صلوۃ مسعودی (٢٤) الذخیرۃ، (٢٥) التفسیر الکبیر للرازی (٢٦) قوت القلوب، (٢٧) روح الارواح، (٢٨) الخلاصۃ، (٢٩) روضۃ العلماء، (٣٠) وصیت نامہ شیخ بہاء الدین زکریا قرشی، (٣١) عقیدہ نجاح، (٣٢) فتاوی الکبیر، (٣٣) احیاء العلوم، (٣٤) جامع العلوم، (٣٥) طحاوی، (٣٦) کشاف، (٣٧) فتاوی عتابیہ (٣٨) کتاب الائسئلۃ (٣٩) تفسیر امام قفال شاشی، (٤٠) کتاب الحیل، (٤١) فتاوی الملتقط، (٤٢) تفسیر بصائر، (٤٣) فتاوی ابو اللیث، (٤٤) مضمرات، (٤٥) الکافی، (٤٦) عوارف المعارف، (٤٧) الریاحین، (٤٨) شاہان، (٤٩) فتاوی الاسرار، (٥٠) مشارق الانوار، (٥١) کتاب الشفاء (٥٢) فتاوی الواقعات، (٥٣) کتاب الفقھاء (٥٤) زاہدی، (٥٥) المنثور شرح المنظوم، (٥٦) مجمع المال، (٥٧) رسالہ قشیریہ، (٥٨) فتاوی بدیعۃ (٥٩) نوادر الفتاوی (٦٠) فتاوی الھدایۃ، (٦١) جامع الفتاوی، (٦٢) مجمع المسائل، (٦٣) فتاوی امام المسلمین، (٦٤) کتاب البر، (٦٥) منافع الفقہ، (٦٦) فتاوی قاضی خان، (٦٧) فتاوی ناصریہ، (٦٨) فتاوی صغیریہ، (٦٩) فتاوی الحسامیۃ، (٧٠) شرعۃ الاسلام، (٧١) بدر السعادۃ، (٧٢) جامع الصغیر، (٧٣) جامع الفقہ، (٧٤) کشف المکتوم، (٧٥) نصاب الاحتساب، (٧٦) مفاتیح المسائل، (٧٧) شرح کتاب الصلوۃ، (٧٨) بستان ابی اللیث، (٧٩) الینابیع، (٨٠) النوازل، (٨١) فتاوی الکمیس، (٨٢) ذخیرۃ الفقہ، (٨٣) نصاب الفقہ، (٨٤) الزاد، (٨٥) الملتقی (٨٦) فتاوی سمرقند، (٨٧) فوائد الشیخ ابی حفص، (٨٨) فتاوی البخاری، (٨٩) جامع الاوزجندی، (٩٠) خزانۃ الفقہ، (٩١) فتاوی الکبری، (٩٢) التھذیب، (٩٣) الصغری، (٩٤) فتاوی الوالوالجی۔

حوالہ جات کتب کے حوالے سے جامع سراج الہدایہ مولانا احمد برنی کا کہنا ہے: "حضرت سید السادات جب کبھی کوئی نص قرآنی، احادیث ختم المرسلین، کسی صاحب مذہب کے بیان کردہ مسائل یا مجتہدوں کی روایات ذکر فرماتے تو یہ بندہ (حوالے کی) کتابوں کے نام کے تئیں التماس کرتا اور وہ (عالی وقار) بشفقت تمام کتابوں کے نام ذکر فرمادیتے۔ ایک روز سید قاسم، جو بیشتر اوقات حضرت سید السادات کے انیس وجلیس ہوتے اور پابندی کے ساتھ حاضر بارگاہ رہتے، نے تنہائی میں کہا: معتقدوں کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ حضرت قطب العالم کی تقریر پر حوالہ جات کتب کی درخواست کریں اور انہیں لکھیں۔ میں نے جواب دیا: یہ بات بالکل صحیح اور سچی ہے لیکن اس زمانے میں نیک وبد اور دانا وبیوقوف ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، اور جب ان لوگوں میں ایک مدعی اور بے اعتقاد بھی ہے تو وہ کہیں قیل وقال میں نہ پڑ جائے۔ میں ایسے لوگوں کی زبان بندی کیلئے لکھ رہا ہوں، اور میرے پاس کوئی برابر کتب خانہ

تو ہے نہیں کہ ایسے لوگوں کو فوراً کتابوں کے نام بتادوں، سو (حضرت سید السادات سے) پوچھنے اور لکھنے کے پیچھے یہی مصلحت ہے۔ حضرت سید السادات کے پاس کافی زیادہ کتابیں موجود ہیں اور علماء و مشائخ کبار بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں سو بندے نے حضرت سید السادات سے دینی استفادہ کے تئیں اس موقع کو غنیمت جانا ہے۔"[۳۰]

## تدریس:

حضرت مخدوم صاحب کے ملفوظات کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک باکمال مدرس بھی تھے۔ عام طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف اور عربی ادب وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔ مشارق الانوار، الفقہ الاکبر، شرح العقائد، عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ وغیرہ جیسی کتابیں زیر تدریس رہا کرتی تھیں۔ حضرت مخدوم صاحب کے شاگرد خاص علامہ سید علاء الدین حسینی کی توضیحات کے مطابق پڑھانے کا انداز یہ تھا کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور عبارت خوانی کے بعد آپ ترجمہ و تشریح کر دیا کرتے۔ عبارت کے نفس مفہوم سے ہٹ کر اگر وہاں آئمہ مذاہب کے درمیان کوئی اختلاف ہوتا تو آپ اختلاف کو بھی دلائل کے ساتھ واضح کرتے۔ علاوہ ازیں! عبارت کے تحت ایسے خوبصورت اور دلچسپ نکات بیان فرمایا کرتے کہ بس لطف ہی آجاتا۔ ایک بات جو اِس راقم سطور نے حضرت مخدوم صاحب کی تدریسی خصوصیات کے تعلق سے خاص طور پر نوٹ کی، وہ یہ کہ مختلف فیہ مسائل کی توضیح کے دوران آپ کا انداز بیاں نہایت ہی مؤدب ہوتا؛ یعنی آپ بذات خود حنفی تھے لیکن کسی بھی موڑ پر دیگر آئمہ مذاہب کے نقطہائے نظر یا دلائل کو کم نہیں سمجھتے تھے، بس یوں بیان فرمادیتے کہ فلاں امام کا یہ قول ہے اور ان کی دلیل مثلا یہ ہے، البتہ بدمذہبوں کی تردید کے حوالے سے ذرہ برابر بھی کتراتے نہیں تھے۔

## علمی تحقیق:

حضرت مخدوم صاحب قبلہ ایک لاجواب عالم تھے اور مختلف علوم وفنون پر محققانہ نظر رکھتے تھے۔ اگر کسی نے کوئی بات پوچھ لی تو بروقت اس کی ایسی تحقیق فرماتے کہ طبیعت عش عش کر اٹھتی۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی کہتے ہیں کہ ایک دن رسالہ مکیہ کے سبق کے دوران آپ نے "رویت اور ادراک" کے مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

" الرؤية: تحقيق الشئ بالبصر كما هو، فان كان فى جهات يرى فيها، و ان كان فى غير جهات يرى فى غيرها۔ والادراك: رؤية الشئ مع الجوانب و الجهات، والله تعالى متعالٍ عن ذلك، وهو معنى قوله تعالى: {لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ} فى الجوانب والجهات والحدود. يثبت ادراكها، والله تعالى منزه عن الجوانب والجهات فلا يثبت ادراكه۔

یعنی: کسی شے کو اس کی ماہیت کے اعتبار سے آنکھوں کے ذریعے جانچنے پرکھنے کا نام رویت ہے، پس اگر وہ شے جہات میں ہو تو نگاہ اُسے جہات میں دیکھے، اور اگر وہ غیر جہات میں ہو تو نگاہ اُسے غیر جہات ہی میں دیکھے۔ اور ادراک: اس بات کا نام ہے کہ جوانب اور جہات کے ساتھ شئے کو دیکھا جائے، اور اللہ تعالیٰ جوانب و جہات سے منزہ ہے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا:

{لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ} [الانعام: ۱۰۳]۔ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں، اور وہ تمام نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے۔ یعنی نگاہیں جوانب و جہات میں اُسے نہیں دیکھتیں لیکن وہ جوانب و جہات میں تمام نگاہوں کو دیکھتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا ادراک ثابت ہے، اور چوں کہ اللہ تعالیٰ جوانب و جہات سے منزہ ہے اس لئے اس کا ادراک ثابت نہیں ہے۔

رویت باری تعالیٰ عقلا و نقلا جائز ہے۔ عقلی طریقے کی بات کی جائے تو دلیل مذکور ہی اس کی بنیاد ہے؛ اور نقلی طریقے کی بات کی جائے تو اس تعلق سے آیات و صحیح احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ} [القيامة: ۲۲، ۲۳]۔ يعنى وجوه أى ذوات، كما يقال: وجه الله أى ذات الله۔ یعنی: اس دن کچھ چہرے ترو تازہ ہوں گے جو اپنے رب کی جانب دیکھ رہے ہوں گے۔ یہاں وجوہ سے مراد ذاتیں ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے: وجہ اللہ یعنی اللہ کی ذات۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: كنا عند رسول الله ﷺ فنظر الى القمر ليلة البدر، وقال عليه السلام: انكم سترون ربكم عيانا لا تضامون فى رويته من الجنة كما ترون هذا القمر۔ یعنی: ہم لوگ چودہویں کی رات رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر اٹھائی اور ارشاد فرمایا: تم لوگ عن قریب جنت میں اپنے رب کو اسی طرح ظاہری طور پر دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اور اپنے رب کو دیکھنے میں تم کوئی پریشانی یا رکاوٹ محسوس نہیں کروگے۔

یہاں دنیا میں بھی بعض خاص بندے یعنی اولیائے کرام اللہ کو دل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور یہ دیدار زیادہ تر نماز میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا أعبد ربي ما لم أره، أي بعين القلب۔ یعنی: میں اس وقت تک اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا جب تک کہ اُسے دیکھ نہ لوں، یعنی دل کی نگاہ سے۔ اور یہ مقام مقربین اور واصلان حق تعالیٰ کا ہے، ہر شخص کی ایسے مقام تک رسائی نہیں ہوتی۔ کل جنت میں تو سب اُسے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھیں گے مگر رسول اللہ ﷺ نے معراج کی شب اُس ذات عظمت کو ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى}[النجم:١٨]أي لم يسبق البصر على البصيرة۔ یعنی: نہ تو آنکھ کسی طرف پھری اور نہ ہی حد سے آگے بڑھی۔ یعنی بصارت نے بصیرت پر سبقت نہ کی۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ چشم سر کی بینائی کو بصارت کہتے ہیں اور چشم دل کی بینائی کو بصیرت کہتے ہیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ}[یوسف:١٠٨]۔ یعنی: (اے محبوب!) آپ فرمادیں کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے نقش قدم پر چلنے والے بصیرت یعنی دل کی نگاہ رکھتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ذات عظمت کو پہلے دل کی نگاہ سے دیکھا، پھر ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے اس قدر ادب ملحوظ رکھا تو بار دیگر دیدار عطا کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:{وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى}[النجم:١٣]اى لقد رأى ربه تارة أخرى۔ یعنی: اور انہوں نے اپنے رب کو دوبارہ دیکھا۔"[٣١]

نوٹ:

متذکرہ بالا اقتباس میں رویت اور ادراک کے مفہوم پر جس محققانہ انداز میں حضرت مخدوم صاحب نے روشنی ڈالی ہے وہ بلاشبہ بے مثال ہے تاہم صحیحین کے حوالے سے جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا ہے۔ بے شک رویت باری تعالیٰ کے حوالے سے صحیح بخاری، کتاب التوحید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک راویت وارد ہے اور وہ روایت کافی طویل ہے مگر اس کے الفاظ وعبارات کافی حد تک مختلف ہیں؛ اور یہاں پر جو روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

## مکتوب نگاری:

ایک عہد کے حالات، خیالات اور افکار و نظریات کو دوسرے عہد تک پہنچانے کا ایک معتبر ذریعہ مکتوب نگاری ہے۔ اگرچہ آج جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی نے اطلاعات کی ترسیل اور باہمی روابط کا پیمانہ یکسر ہی بدل دیا ہے تاہم اگر آپ بدیہی طور پر بھی احوال کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ماضی قریب تک مکتوب نگاری ہی لوگوں کا محبوب ترین ذریعہ ابلاغ رہی ہے۔ مکتوب نگاری میں خاص بات یہ تھی کہ خبروں کی ترسیل اور احوال کے انکشاف کے علاوہ یہ لوگوں کے اندر ادبی ذوق بھی پیدا کرتی تھی۔ مکاتیب کی اسی ادبی اہمیت کے پیش نظر مفکرین اور اسکالرز نے مکتوب نگاری کو باقاعدہ ایک لطیف ادبی صنف کے طور پر متعارف کرایا اور اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔

متذکرہ بالا گفتگو سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ عہد ماضی میں مکتوب نگاری کس قدر اہمیت کی حامل رہی ہے؟ تاہم یہ اہمیت اُس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب بات صوفیائے کرام کے مکاتیب کی آتی ہے۔ چوں کہ اکابر صوفیاء تصوف وطریقت کے علاوہ حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، بلاغت، فلسفہ، منطق، تاریخ، ادب، ریاضی، اقلیدس، کیمیا اور فلکیات وغیرہ جیسے قدیم وجدید علوم کے بھی ماہر ہوتے تھے اس لئے ان کے مکاتیب کے اندر ہمیں مختلف علوم وفنون سے متعلق ایسی بے مثال تحقیقات نظر آتی ہیں جن کی بلندیوں کو اونچی آواز میں تحقیق وجستجو کا دعویٰ کرنے والے نام نہاد محققین چھو بھی نہیں سکتے۔ ایسے ہی صاحب فکر وفن صوفیاء میں ایک بڑا نام حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بھی ہے۔ حضرت کے نادر ونایاب مکاتیب کا قلمی نسخہ بنام "مقرر نامہ" اس وقت میرے سامنے ہے۔ جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس میں کوئی ایسا سرورق تو نہیں ہے جس میں مجموعہ مکاتیب سے متعلق کسی قسم کی بنیادی جانکاریاں فراہم کی گئی ہوں تاہم راقم سطور کے شمار کے مطابق یہ مجموعہ کل ۱۰۴؍ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۴۲؍ مکتوبات موجود ہیں۔ یہ تمام مکتوبات حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت شیخ تاج الدین کے استفسارات پر تحریر کئے تھے۔ حضرت مخدوم صاحب کے زمانے میں چوں کہ برصغیر کے علمی حلقوں میں فارسی روزمرہ کی زبان کے طور پر استعمال کی جاتی تھی اس لئے حضرت نے یہ مکتوبات فارسی زبان ہی میں تحریر کئے ہیں۔ ان مکاتیب کی جوبات اول نظر ہی میں قاری کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی ہے وہ ہے مکاتیب کا علمی انداز اور تحقیقی مواد۔ ہر مکتوب کا آغاز "مقرر فرزندے باد" کے دلنشیں جملے سے ہوتا ہے اور اسی وجہ

سے مجموعہ مکاتیب کو ”مقرر نامہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ ابتدائی جملے کے بعد حسب حال حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ، اقوال علماء اور حکایات مشائخ کے ذریعے اپنی باتیں مزین کر کے مکاتیب کو شیخ تاج الدین کی جانب ارسال کیا ہے۔

برادر گرامی بشارت علی صدیقی زید شرفہ کی اطلاعات کے مطابق حضرت مولانا سید قمر الاسلام صاحب نے اس مجموعہ مکاتیب پر تحقیق مکمل کر لی ہے اور ان شاء اللہ تعالی بہت جلد یہ تحقیق شدہ مجموعہ حضرت سید موصوف کے اردو ترجمے کے ساتھ خانقاہ قادریہ ولیہ، فتح پور، الہ آباد (پریاگ راج) سے شائع ہونے جا رہا ہے۔ اللہ کریم اشاعت وطباعت کے تمام مراحل کو آسان بنائے۔

## عربی زبان وادب پر مہارت:

حضرت مخدوم صاحب قبلہ کی پیدائش اگرچہ اوچ شریف، موجودہ پاکستان میں ہوئی تھی تاہم ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اُس زمانے میں عربی برصغیر کے علمی حلقوں کی عام زبان تھی۔ تعلیم وتدریس کیلئے جس طرح آج ہم اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کا سہارا لے رہے ہیں اسی طرح اُس زمانے میں فارسی اور عربی زبانوں کا سہارا لیا جاتا تھا، اس لئے ایک ممتاز علمی وادبی خانوادے کے ایک ممتاز ترین فرد کے لئے عربی زبان وادب پر کمال ومہارت اُس زمانے کے حساب سے کوئی حیرت کی بات نہیں ہے مگر ہم نے خصوصیت کے ساتھ اس نکتے کو موضوع سخن اس لئے بنایا ہے کہ آج کل برصغیر کے علمی و ادبی حلقوں میں عربی زبان وادب کی زمین پر جیسے اکال سا پڑ گیا ہے۔ آٹھ آٹھ اور دس دس سالوں تک عربی مدارس و جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ہمارے فضلائے کرام کا حال یہ ہوتا ہے کہ چند سطریں عربی میں تحریر نہیں کر سکتے۔ معاف کیجئے گا، پر راقم سطور نے کتنے ہی ایسے ”باکمال“ حضرات دیکھے ہیں کہ ششماہی و سالانہ امتحانات کے چند سطری عربی پرچوں میں بھی کئی کئی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ جب اساتذہ کرام کا یہ حال ہو تو پھر طلبہ کی علمی جستجو اور فکری بساط کا اندازہ آپ خود ہی لگالیں۔ کہنے کا منشا یہ ہے کہ اگرچہ آج ہمارے یہاں عربی زبان وادب کی زمین پر ایک غیر متوقع قحط نازل ہو گیا ہے تاہم ہمارے اجداد کے زمانے میں یہ بات ہرگز نہ تھی۔ وہ بالکل اہل زبان کی طرح عربی بول اور لکھ سکتے تھے بلکہ کتنے حضرات تو ایسے رہے کہ عجمی ہونے کے باوجود وہ اس قدر خوبصورت عربی بولتے اور لکھتے تھے کہ اہل زبان بھی رشک کریں۔ ایسے ہی باکمال لوگوں میں ایک بڑا نام حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی ہے۔

جامع العلوم میں متعدد مقامات پر عربی زبان میں ان کی بات چیت کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ بہت ہی سادہ اور رواں دواں قسم کی عربی بولا کرتے تھے، یعنی ان کی عربی گفتگو شعوری کاوش سے پاک اور مکمل طور پر برجستہ ہوتی تھی۔ جملے نسبتًا چھوٹے چھوٹے اور دھلے دھلائے ہوتے تھے۔ کچھ مقامات پر حضرت کے کچھ ایسے مکالمات بھی نظر نواز ہوئے جو نہایت ہی پرلطف اور خوش کن تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب کو اپنی علمی وفکری جلالت کا رتی بھر بھی زعم نہیں تھا۔ وہ عام لوگوں کی طرح رہتے تھے، عام لوگوں کی طرح کھاتے تھے، عام لوگوں کی طرح پیتے تھے اور عام لوگوں ہی کی طرح بات چیت کرتے تھے۔ دراصل حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی نے حضرت مخدوم کے کچھ ایسے عربی مکالمات نقل کئے ہیں جن میں حضرت اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ خوش مزاجی فرماتے ہوئے نظر آ رہے ہیں لیکن انتہائی مہذب اور شرافت کے لہجے میں۔ بے شک یہ اللہ والے لوگ تھے جو سر سے لے کر پیر تک اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی سنتوں کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، کیوں کہ ہمیں اپنے پیارے آقا ﷺ کی سیرت طیبہ میں بھی کچھ لمحات ایسے نظر آتے ہیں جب آپ نے اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ خوش طبعی فرمائی تھی۔ میرا یہ ایقان ہے کہ ایسے لمحات صاحب کردار کی عظمت کو درشاتے ہیں۔ یہ لمحات بتاتے ہیں کہ صاحب لمحات کا کردار اتنا بلند تھا کہ فی الواقع عظمت کے ساتویں آسمان پر واقع ہونے کے باوجود وہ زمینی سطح پر اپنے آس پاس والوں کے محض قریب نہیں بلکہ ان کے دلوں کے آنگن میں قیام کرتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ صدیوں میں کبھی کبھار دیکھے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے نہایت خوشی ہو رہی ہے کہ ہمارے ممدوح حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ایسے ہی باعظمت لوگوں میں سے ایک تھے۔ خیر! کہنے کا منشا یہ ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ کو عربی زبان و ادب پر بھی کامل مہارت حاصل تھی۔ آپ ہمارے اس دعوے کی دلیلیں ان کی تحریروں اور امالی کے اندر جابجا ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

**نوٹ:**

عربی زبان وادب سے ہٹ کر اگر فارسی زبان وادب کی بات کی جائے تو ظاہر ہے کہ فارسی ان کی مادری زبان تھی اس لئے ہم نے فارسی کو گفتگو کا عنوان نہیں بنایا ہے، کیوں کہ مچھلی کے حق میں پانی میں تیرنا کونسی بڑی بات ہے؟

## بر محل گفتگو میں علمیت کی جھلک:

حضرت مخدوم صاحب قبلہ ایک تہہ دار شخصیت کے مالک تھے۔ان کی ہستی میں فکر و فن کے اتنے رنگ نظر آتے ہیں کہ قوس قزح کی ست رنگی کی مثال ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ اپنی مجلسوں میں انہوں نے جو علمی، تحقیقی اور ادبی جواہر پارے بکھیرے تھے، ظاہر ہے کہ آج ان تمام بیش قیمت جواہر پاروں کو سمیٹنا کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے اس لئے ہم یہاں محض ان کے امالی کے اندر سے چند نمونے نقل کئے دیتے ہیں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہوسکے کہ انہوں نے بر محل گفتگو میں جو علمی تحقیقات پیش کی تھیں وہ بلاشبہ بہتوں کے طویل وبسیط مقالات میں بھی نظر نہیں آتیں۔

۱-حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی کہتے ہیں:

"ایک دن ایک عزیز نے کنویں کے پانی کے بارے میں پوچھا کہ: وہ پانی کنیزیں لے کر آتی ہیں اس لئے دل میں شک گزرتا ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا: شک، شبہ میں ہے اور یقین ظاہر ہے یعنی پانی کا پاک ہونا یقینی ہے، والیقین لایزول بالشک، یعنی: اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ لہذا پانی پاک ہی رہے گا۔"[۳۲]

۲-حضرت مولانا سید علاء الدین حسینی کہتے ہیں:

"۲۱ر شعبان المعظم ۷۸۱ھ کو حضرت مخدوم صاحب نے چالیس دنوں تک کیلئے اعتکاف کی نیت کی، اس کے بعد اِس فقیر سے فرمایا: تو بھی میرے ساتھ اعتکاف کرے گا؟ میں نے عرض کیا: جی، میں نے نیت کرلی۔ آپ نے قبول کیا اور فرمایا: مبارک ہو۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا: میں آج مسجد میں آیا اور اعتکاف کی نیت کرلی، کیوں کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کی روایت پر دخول اعتکاف کے لئے دن کا اکثر حصہ روا ہے۔ تاہم جب وہ مسجد میں آئے تو سورج ڈھل چکا تھا، آپ نے فرمایا: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کے قول پر ہم نے اعتکاف کیا، کیوں کہ ان کے نزدیک لمحہ بھر بھی اعتکاف درست ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کچھ احباب چالیس دنوں کے اعتکاف کی نیت نہیں کرتے تو اس میں بھی کوئی دقت کی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ ماہ رمضان کے آخری عشرے میں معتکف ہوجائیں جو سنت موکدہ ہے، البتہ بعض علماء اسے واجب بھی کہتے ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا: الصلوۃ فی جامع مصر بخمس مأۃ درجۃ وفی مسجد الحی بخمس و عشرین درجۃ وفی موضع آخر بعشرۃ درجات۔ یعنی: شہر کی جامع مسجد میں نماز کی ادائیگی پانچ سو درجات کی حامل ہے، محلے کی مسجد میں نماز کی ادائیگی پچیس درجات کی حامل ہے اور دیگر مقامات پر نماز کی ادائیگی دس درجات کی حامل ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: میں ہر روز نیت اعتکاف کی تجدید کرتا ہوں، کیوں کہ میں نے مشائخ حرمین کو دیکھا اور سنا ہے کہ اگر کوئی اہم کام پیش آجائے تو باہر نکلنا جائز ہے اور اس میں کچھ باک نہیں۔ بعد ازاں فرمایا: فتاوی میں یہ مسئلہ ہے:

المعتکف اذا خرج للطهارة ثم عاد المريض أو صلى الجنازة أو غير ذلك، لايفسد اعتكافه، وان خرج بغير نية الطهارة ثم عاد المريض أو صلى الجنازة أو غير ذلك، يفسد اعتكافه، وذلك حيلة، وهذا كله على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعليه الفتوى، وعندهما لو خرج نصف النهار لا يفسد۔ یعنی: اعتکاف کرنے والا اگر طہارت کی نیت سے مسجد سے باہر نکلے اور پھر مریض کی عیادت کرے یا نماز جنازہ پڑھے یا کوئی دوسرا کام کرے تو اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر وہ طہارت کی نیت کے بغیر مسجد سے باہر نکلے اور پھر مریض کی عیادت کرے یا نماز جنازہ پڑھے یا کوئی دوسرا کام کرے تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا، تو گویا یہ طہارت ایک حیلہ ہے۔ یہ تمام احکام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے قول پر ہے اور فتوی بھی اسی پر ہے۔ یہاں صاحبین کا موقف یہ ہے کہ اگر اعتکاف کرنے والا دوپہر کو باہر نکلے تو اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔"[۳۳]

۳-۱۳ر جمادی الاخری ۷۸۱ھ بروز سوموار دوران گفتگو حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا:

شرائط المشيخة ثلاثة، ان لم تكن لاتصح المشيخة، أحدها: أن يكون الشيخ عالما بالعلوم الثلثة، علم الشريعة والطريقة والحقيقة، والثاني: يقبلونه بعض علماء زمانه و يتعلقونه و يعتقدونه ويريدونه، والثالث: أن لايكون له من المطالب من الدنيا والآخرة وماسوى الله تعالى۔

یعنی: مشیخت کی تین شرطیں ہیں کہ اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو مشیخت درست ہی نہیں ہوگی۔ پہلی شرط: یہ ہے کہ شیخ علوم ثلثہ یعنی علم شریعت، علم طریقت اور علم حقیقت کا عالم ہو۔ دوسری شرط: یہ ہے کہ اس کے زمانے کے بعض علماء اسے قبول کریں، اس کے معتقد ہوں اور اس کے دامن ارادت

سے وابستہ بھی رہیں۔ اور تیسری شرط: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا، دنیاو آخرت میں اس کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔"[۳۴]

۴-۱۳/ جمادی الاخری ۷۸۱ھ سوموار ہی کے دن:"سید شمس الدین مسعود عراقی ایک کنیز خرید کر خدمت میں لائے، اور استفسار کیا کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: استبرا کر، اور ایک حیض تک اس کے قریب بھی مت پھٹک۔ پھر آپ نے ان سے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا: اچھا سنو! میں تمہیں ایک حیلہ سکھاتا ہوں جس سے استبراء ساقط ہوجائے گا۔ ایک کام کرو، تم اسے پہلے مکاتبہ کرو اور اس پر مال مقرر کردو، پھر کسی دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح کرواؤ، اور اس سے کہہ دو کہ وہ قبل الدخول طلاق دیدے، پھر تم اس کنیز سے مال طلب کرو، سوجب وہ مال دینے سے عاجز ہوگی تو بندہ ہوجائے گی (پھر تم اس سے مجامعت کرسکتے ہو)۔ یہ کہہ کر آپ نے تبسم فرمایا۔"[۳۵]

یہ صرف دو چار امثال ہی نہیں ہیں بلکہ آپ حضرت مخدوم صاحب قبلہ کے تمام امالی کا مطالعہ کرکے دیکھ لیجئے، آپ کو حضرت قبلہ گاہی کی ہر ایک مجلس منتہا جماعتوں کے طلبا کی تدریس معلوم ہوگی۔ بیانات کے اس تحقیقی انداز اور علمی شوکت کو دیکھ کر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ کی مجلس میں شرکت کرنے والے لوگ عام طور پر عام قسم کے نہیں ہوتے تھے کیوں کہ اگر ان کی مجلسوں کے شرکاء کی اکثریت عوام الناس پر مشتمل ہوتی تو وہ ہرگز بھی اپنی مجلسوں میں اس قسم کی اعلیٰ علمی تحقیقات پیش نہ کرتے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان کے ارد گرد رہنے والے حضرات اکثر علماء و فقہاء ہوتے تھے۔ اس نقطہ نظر کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سے اوقات میں حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے مسائل و معاملات کی توضیح عربی زبان میں فرمائی ہے، اور ظاہر ہے کہ عربی زبان و ادب سے عامیانِ ہند کو بھلا کیا واسطہ؟ کہنے کا منشا یہ ہے کہ حضرت مخدوم صاحب قبلہ نے صبح و شام کی اپنی مجلسوں میں جو علمی، ادبی اور تحقیقی جواہر پارے حاضرین پر نچھاور کئے ہیں وہ بلاشبہ ان کی غیر معمولی علمی عظمت اور فکری وسعت پر دال ہیں۔

## ۱۸۵/ علوم و فنون پر مہارت:

طبقہ صوفیہ کے تعلق سے ہمارا عام خیال یہ ہے کہ یہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر "حق، ھو" کرنے والے لوگ ہیں، انہیں بھلا فکر و فن کی وسعتوں سے کیا لینا دینا؟ یہ ایک فکر ہے جس کی پستی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ "حق، ھو" کرنے والے لوگ ہیں تب یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ "حق، ھو" کی معرفت تک رسائی گہرے شعور و ادراک کے بغیر ہرگز بھی ممکن نہیں ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی جاہل کو "شعور خودی" سے آگاہ ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں نا؟ تو جب ایک جاہل شخص "شعور خودی" پر آگاہ نہیں ہوسکتا تو پھر وہ بھلا "شعور خدائی" سے کیسے آگاہ ہوسکتا ہے؟ جناب! کیا کوئی سینس بھی بنتا ہے کہ کسی کو "حق، ھو" کا عارف بھی تسلیم کیا جائے اور ساتھ ہی اُسے "جاہل" کے سطحی خطاب سے بھی نوازا جائے؟ کیا صوفیائے کرام کے ساتھ یہ ہماری کھلی زیادتی نہیں ہے؟

خیر! اللہ کریم ہمیں عقل سلیم سے نوازے۔ ہم یہاں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اکابر صوفیائے کرام جس طرح "واردات حال" کے رہبر ہوا کرتے تھے اُسی طرح وہ "تحقیقات قال" کے بھی امام ہوا کرتے تھے۔ اس بات کی روشن دلیل ہمارے ممدوح حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ذات گرامی ہے۔ "خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم" کے دیباچہ میں جامع ملفوظات حضرت مولانا سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کی توضیحات کے مطابق حضرت مخدوم صاحب قبلہ کو ۱۸۵/ علوم و فنون پر کامل مہارت حاصل تھی۔ "خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم" کے دیباچے میں انہوں نے اُن علوم و فنون کی ایک فہرست بھی تیار کردی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

"حضرت قطب العالم کو ہر علم میں تبحر حاصل تھا اور وہ ہر علم میں یکساں طریقے پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ میں نے ان کے علوم و فنون کی یہ فہرست تیار کی ہے:

(۱) علم قرآت، (۲) علم تفسیر، (۳) علم احادیث، (۴) علم فقہ، (۵) علم اصول فقہ، (۶) علم فتاوی، (۷) علم احکام، (۸) علم کلام، (۹) علم معانی، (۱۰) علم خلاف رای عقائد، (۱۱) علم منطق، (۱۲) علم نحو، (۱۳) علم صرف، (۱۴) علم لغت، (۱۵) علم عروض شعر، (۱۶) علم فضل، (۱۷) علم فرائض، (۱۸) علم حکمت، (۱۹) علم طب، (۲۰) علم نجوم: مقداری کہ فریضہ است برائے شناختن اوقات نماز، (۲۱) علم مناظرہ، (۲۲) علم دراست، (۲۳) علم معیشت، (۲۴) علم سلوک، (۲۵) علم توحید، (۲۶) علم معرفت، (۲۷) علم استدلال، (۲۸) علم مشاہدہ، (۲۹) علم اصول، (۳۰) علم اخلاق، (۳۱) علم احسان، (۳۲) علم تحمل، (۳۳) علم درصفت سالک، (۳۴) علم لباس، (۳۵) علم تعویذ، (۳۶) علم دعوات ادعیہ، (۳۷) علم اسماء اعظم و شرح آں، (۳۸) علم تربیت (۳۹) علم ارشاد، (۴۰) علم تزکیہ، (۴۱) علم تصفیہ، (۴۲) علم مقامات، (۴۳) علم ترغیب، (۴۴) علم تحریص، (۴۵) علم اجتہاد، (۴۶) علم مذاہب، (۴۷) علم

تخصیص، (۴۸) علم روایت، (۴۹) علم املاء، (۵۰) علم متاولہ، (۵۱) علم اجازت، (۵۲) علم کفایت، (۵۳) علم تعلیم، (۵۴) علم طلب شیخ، (۵۵) علم قطع علائق، (۵۶) علم علوم، (۵۷) علم ماہیت علوم، (۵۸) علم تصنیفات، (۵۹) علم تالیفات، (۶۰) علم نفسانی (۶۱) علم روحانی، (۶۲) علم ماہیت بشر، (۶۳) علم ماہیت جن، (۶۴) علم ماہیت حیوانات، (۶۵) علم وصال، (۶۶) علم فراق، (۶۷) علم خاصیت، (۶۸) علم تاثیرات، (۶۹) علم موہبت، (۷۰) علم اخبار، (۷۱) علم آثار، (۷۲) علم تاثیر صحبت، (۷۳) علم خلوت، (۷۴) علم اعتکاف، (۷۵) علم مجاہدہ، (۷۶) علم مکاشفہ، (۷۷) علم سر مکاشفہ، (۷۸) علم اشتغال، (۷۹) علم ضیافت، (۸۰) علم وعظ، (۸۱) علم نصیحت، (۸۲) علم وصیت، (۸۳) علم اوصاف، (۸۴) علم حقوق، (۸۵) علم استحقاق، (۸۶) علم قصص، (۸۷) علم حکایات مناسب، (۸۸) علم واقعات، (۸۹) علم معجزات، (۹۰) علم متابعت، (۹۱) علم سنت نبوی، (۹۲) علم نداء من اللہ، (۹۳) علم تحصیل، (۹۴) علم صحو، (۹۵) علم محو، (۹۶) علم ارادہ، (۹۷) علم حل مشکلات، (۹۸) علم دیانت، (۹۹) علم افادہ، (۱۰۰) علم ادراک، (۱۰۱) علم افہام، (۱۰۲) علم ساعات واقعات، (۱۰۳) علم استجابت دعوات، (۱۰۴) علم مصادرہ، (۱۰۵) علم اسرار، (۱۰۶) علم استغفار، (۱۰۷) علم اظہار، (۱۰۸) علم فکر، (۱۰۹) علم ملکوت، (۱۱۰) علم جبروت، (۱۱۱) علم لاہوت، (۱۱۲) علم تواضع، (۱۱۳) علم تکبر، (۱۱۴) علم افتقار، (۱۱۵) علم اختیار، (۱۱۶) علم اضطرار، (۱۱۷) علم حالات، (۱۱۸) علم وجد، (۱۱۹) علم تجربات، (۱۲۰) علم مقصود، (۱۲۱) علم جزئیات، (۱۲۲) علم عشق، (۱۲۳) علم محبت، (۱۲۴) علم شوق، (۱۲۵) علم ذوق، (۱۲۶) علم ترقی، (۱۲۷) علم اعمال قلوب، (۱۲۸) علم اعمال جوارح، (۱۲۹) علم ایمان و اسلام، (۱۳۰) علم ماہیت ایمان و اسلام، (۱۳۱) علم ماہیت فرائض و نوافل، (۱۳۲) علم صوم، (۱۳۳) علم ماہیت تلاوت، (۱۳۴) علم ماہیت صلوۃ، (۱۳۵) علم ماہیت زکوۃ، (۱۳۶) علم ماہیت امر و نہی، (۱۳۷) علم ماہیت حج (۱۳۸) علم تسبیحات، (۱۳۹) علم خوف، (۱۴۰) علم رجا، (۱۴۱) علم سفر، (۱۴۲) علم حضر، (۱۴۳) علم بیعت، (۱۴۴) علم ولایت، (۱۴۵) علم تصرف، (۱۴۶) علم قطبیت، (۱۴۷) علم محبوبیت، (۱۴۸) علم توکل، (۱۴۹) علم تاکل، (۱۵۰) علم تشرب، (۱۵۱) علم صبر، (۱۵۲) علم شکر، (۱۵۳) علم نورانی، (۱۵۴) علم ظلمانی، (۱۵۵) علم احیاء، (۱۵۶) علم امانت، (۱۵۷) علم رویت، (۱۵۸) علم من لدنی، (۱۵۹) علم سر قدر، (۱۶۰) علم قربت، (۱۶۱) علم بعدت، (۱۶۲) علم اربعینات، (۱۶۳) علم اختلاف، (۱۶۴) علم اجماع، (۱۶۵) علم اتفاق، (۱۶۶) علم مانع وصول، (۱۶۷) علم شریعت، (۱۶۸) علم طریقت، (۱۶۹) علم حقیقت، (۱۷۰) علم مجاز، (۱۷۱) علم اوراد، (۱۷۲) علم اذکار، (۱۷۳) علم مجالست، (۱۷۴) علم آداب، (۱۷۵) علم محاسبہ، (۱۷۶) علم استقامت (۱۷۷) علم کرامت، (۱۷۸) علم مکاسب، (۱۷۹) علم مذاہب، (۱۸۰) علم ابتدا (۱۸۱) علم انتہا، (۱۸۲) علم انابت، (۱۸۳) علم صحبت، (۱۸۴) علم علوی، (۱۸۵) علم سفلی۔"[۳۶]

متذکرہ علوم وفنون کی فہرست پر ایک نظر ڈالیں اور ذرا تعمق نظری کے ساتھ غور کریں کہ جس انسان کے سینے میں اتنے سارے علوم وفنون تمام تر کلیات وجزئیات کے ساتھ موجود تھے وہ انسان فکر وفن اور تحقیق وسند کی دنیا میں کتنی اونچی حیثیت اور مضبوط استناد کا حامل ہوگا؟ مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ علم وفن کے اس نیر تاباں کو فکر کے کینوس میں اتارنا تو دور کی بات، میں اس کی مٹھی بھر کرن بھی دامن تحریر میں سمیٹنے کی قوت نہیں رکھتا۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ سید جلال الدین حسین بخاری عرف مخدوم جہانیاں جہاں گشت تاریخ اسلامی کا ایک ایسا عظیم ترین نام ہے جو تصوف وطریقت کے علاوہ علم وتحقیق کے باب میں بھی رہروان شوق کے لئے منارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

## حوالہ جات

۱-مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص:۱۵۱، ۱۵۲۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔

۲-ایضا، ص:۲۳۹، ۲۴۰۔

۳-ایضا، ص:۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱۔

۴-شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ الباب الاول: فی بیان العلوم الخمسۃ التی یدل علیہا القرآن العظیم نصا۔ ص:۱۷، ۱۸۔ مطبوعہ: دار الغوثانی للدراسات

القرآنیۃ، دمشق۔ سن طباعت: ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء۔
۵- مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص: ۳۲۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔
۶- أیضا۔ ص: ۲۰۶۔
۷- أیضا۔ ص: ۲۰، ۲۱۔
۸- أیضا۔ ص: ۴۳۷۔
۹- أیضا۔ ص: ۱۰۵، ۱۰۶۔
۱۰- أیضا۔ ص: ۳۹۵۔
۱۱- أیضا۔ ص: ۱۹۸۔
۱۲- أیضا۔ ص: ۲۰۰۔
۱۳- أیضا۔ ص: ۴۴۷، ۴۴۸۔
۱۴- أیضا۔ ص: ۳۴۶، ۳۴۷۔
۱۵- أیضا۔ ص: ۴۰۸۔
۱۶- أیضا۔ ص: ۴۲۵۔
۱۷- سجاد حسین، قاضی۔ سراج الہدایہ (پیش لفظ)۔ ص: ۲۱۴۔ مطبوعہ: انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، ۳۵- فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی۔ ۱۹۸۳ء۔
۱۸- مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص: ۲۰۸۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔
۱۹- ابو الحسن کنانی، علی بن محمد بن عراق شافعی۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ۔ ج: ۲۔ ص: ۲۳۳۔ مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ سن اشاعت: ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔
۲۰- ابو الحسن کنانی، علی بن محمد بن عراق شافعی۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ۔ ج: ۲۔ ص: ۲۳۳۔ مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ سن اشاعت: ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔
۲۱- مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص: ۳۱۴۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔
۲۲- مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص: ۳۶۵۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔
۲۳- أیضا، ص: ۱۵۱۔
۲۴- أیضا، ۲۸۳۔
۲۵- أیضا، ۱۹۶۔
۲۶- أیضا، ۴۹۸، ۴۹۹۔
۲۷- سمنانی، سید اشرف جہاں گیر۔ لطائف اشرفی۔ اردو ترجمہ: از: پروفیسر ایس، ایم لطیف اللہ۔ ج: ۱۔ ص: ۵۸۔ مطبوعہ: سہیل پریس، پاکستان چوک، کراچی۔ سن اشاعت: ۱۹۹۹ء۔ مرتب ملفوظات: علامہ نظام یمنی۔
۲۸- سجاد حسین، قاضی۔ سراج الہدایہ (پیش لفظ)۔ ص: ۲۵۴۔ مطبوعہ: انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، ۳۵- فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی۔ ۱۹۸۳ء۔
۲۹- مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص: ۱۱۷۔ مطبوعہ:

مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔

۳۰-سجاد حسین، قاضی۔ سراج الہدایہ (پیش لفظ)۔ص:۱۹۔ مطبوعہ: انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، ۳۵-فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی۔۱۹۸۳ء۔

۳۱-مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین حسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال اعظم جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچی سہروردی۔ خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم۔ ص:۵۰۹، ۵۱۰۔ مطبوعہ: مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد۔ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔ جامع ملفوظات: حضرت علامہ سید علاء الدین علی بن سعد بن اشرف قریشی حسینی۔

۳۲- ایضاً، ص:۱۸۸۔

۳۳-ایضاً،ص:۱۷۸۔

۳۴- ایضاً، ص:۱۴۶۔

۳۵- ایضاً،ص:۱۴۶۔

۳۶- ایضاً،ص:۵، ۴۔



# ٹیپو کے شہر والی لڑکی کے نام

نور مُحَمَّد لکھنوی

سوئے تھے جو غفلت میں، ان کو بھی جگا ڈالا
ہمت کے مریضوں کو، کیا خوب سنا ڈالا

نارنجی نشیمن کو، چلمن سے جلا ڈالا — تکبیر کے نعروں سے، دشمن کو ہلا ڈالا
نفرت کے جیالوں کو، زہریلے پیالوں کو — جمنا میں ترا ڈالا، گنگا میں بہا ڈالا
بد خواہ، ستم پرور،کووں کی جماعت کو — اک بلبل بے پر کی، بھبکی نے اڑا ڈالا
بلوائی، شرر آگیں، آتنکی، عناصر کو — اوقات دلاکر یاد، لنگور بنا ڈالا
بے باک نگاہوں کو ،پیروں سے کچل ڈالا — پر شور زبانوں کو، دانتوں سے چبا ڈالا
ناپاک، فحش باطن، مذموم مقاصد کو — رشک آفریں ہمت کے، ناخن سے رگڑ ڈالا
خونخوار درندوں کے جگ جیت ارادوں کو — مسکان کی اک ہو نے، مٹی میں ملا ڈالا
مغروری میں لہراتے، بے شرمی کے جھنڈے کو — آغوش حمیت کے، پردے نے جھکا ڈالا
باطل کے پرستاروں، کے عزم کی چادر کو — مضبوط ارادے کی، قینچی سے کتر ڈالا
نازاں تھے جو قوت پر، ٹٹو تھے کرائے کے — روباہ صفت لشکر، جھڑکی میں بھگا ڈالا
پردے کا تصور جو، بیٹھا تھا دماغوں میں — پروردہ مسکن نے، موہوم بنا ڈالا

جتنے تھے مقابل میں، سب طفل تھے گیدڑ کے
ٹیپو کے شہر والی، لڑکی نے دکھا ڈالا

# مقالہ نگار حضرات کے لیے ضروری ہدایات

۱-مقالہ اردو زبان میں ہو۔

۲- اقتباسات اردو کے علاوہ کسی اور زبان سے ماخوذ ہوں، تو ان کی عبارات اصل زبان (عربی، انگریزی وغیرہ) میں درج کی جائیں اور ساتھ میں ان کا اردو ترجمہ بھی۔

۳-مختصر اقتباسات ہو بہو اصل مع ترجمہ شامل مقالہ کئے جائیں، اور اقتباسات ایک صفحہ یا اس سے زیادہ سطور پر مشتمل ہوں تو ان کا خلاصہ اپنے لفظوں میں درج کر کے حوالہ دیا جائے۔

۴-مقالہ کسی علمی و تحقیقی موضوع پر ہو، اور ندرت و جدت کا حامل۔ موضوع دینی، ادبی، فکری، تعارفی، تنقیدی وغیرہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

۵-مقالہ اپنے موضوع پر جامع و مدلل اور معقول ہو۔ محض لفاظی یا نری جذباتیت سے گریز کیا جائے۔

۶-منظومات میں صرف حمد، نعت رسول ﷺ اور فکری و موضوعاتی نظمیں قابل قبول ہوں گی۔

۷-مقالہ/ منظوم کلام غیر مطبوعہ ہو۔ مطبوعہ مقالات و منظومات کی اشاعت نو کا معاملہ مجلس ادارت کی صواب دید پر ہوگا۔

۸-مقالہ/ منظوم کلام شوشیل میڈیا- جیسے فیس بک اور واٹس ایپ، وغیرہ پر نشر نہ کیا گیا ہو، ورنہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

۹-کہیں اور اشاعت کے لیے بھیجے گئے مقالات و منظومات نا قابل قبول ہوں گے۔

۱۰-مقالہ ایم ایس ورڈ یا ان پیج تھری میں کمپوز شدہ ہو۔

۱۱-مقالہ اے فور (A۴) سائز میں کم سے کم ۱۰ (ان پیج) اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ صفحات (ان پیج) یا ۵,۰۰۰-۷,۰۰۰ الفاظ (ورڈ) پر مشتمل ہو۔

۱۲-مقالے کے لئے مطلوبہ فونٹ اور سائز وغیرہ کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

ان پیج میں:

- اردو فونٹ: نوری نستعلیق، فونٹ سائز:۱۶
- عربی (حوالے کی عبارات) فونٹ: MuhammadiQuranic؛ فونٹ سائز:۱۵؛ لائن گیپنگ ۲۱۔
- انگریزی (حوالے کی عبارات): فونٹ TimesRoman: فونٹ سائز:۱۲۔

ورڈ میں:

- اردو فونٹ: جمیل نوری نستعلیق؛ فونٹ سائز:۱۵
- عربی (حوالے میں) فونٹ: TradArabic؛ فونٹ سائز:۱۵، لائن گیپنگ:۱.۰؛ پیج مارجن:۳.۵cm۔
- انگریزی (حوالے کی عبارات): فونٹ:TimesRoman؛ فونٹ سائز:۱۲۔

۱۳-مقالے فائنل کمپوز شدہ ہوں اور اغلاط کتابت و نقائص تحریر سے پاک، یعنی پروف شدہ ہوں۔

۱۴-حواشی مختصر ہوں اور مقالے کے آخر میں اینڈ نوٹ میں نمبر وار درج ہوں۔

۱۵-طویل حواشی ہوں تو کوشش کریں کہ انہیں متن کا حصہ بنا دیا جائے۔

۱۶-حوالے بھی مقالے کے آخر میں اینڈ نوٹس میں درج کریں، مثلا: کتاب کا نام، مصنف کا نام اور صفحہ نمبر۔

۱۷-اینڈ نوٹ کے نمبر سلسلہ وار ہوں۔

۱۸-حوالوں اور حواشی کا مطلوبہ فونٹ سائز ۱۲ ہے۔

۱۹-مقالے کے آخر میں تمام حوالے الف بائی ترتیب کے لحاظ سے کتابیات/ ببلیو گرافی/ مصادر و مراجع کے عنوان سے درج کریں اور کتاب و مصنف (مولف/مترجم/مرتب) کے نام کے ساتھ اشاعت، سال اشاعت مقام اشاعت یا مطبع کا تذکرہ نہ بھولیں۔ یہ تفصیلات دستیاب نہ ہوں، تو اس کی بھی وضاحت کر دیں۔

۲۰-حوالے کا انداز:

- قرآن مجید کے لیے: [سورہ نام؛ سورہ نمبر: آیت نمبر]-مثال: [سورہ فاتحہ، ۱:۵]
- احادیث کی تخریج کے لیے: بخاری؛ صحیح البخاری، کتاب الایمان؛ ح:۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، اشاعت: اول/ دوم وغیرہ، سن اشاعت، جلد، ص:۔ جلد اور صفحے کو مختصرا اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے: ۲/ ۵۔
- دیگر کتب کے لیے (مثلا): دہلوی، شیخ عبد الحق (محدث)، اخبار الاخیار، اردو ترجمہ، مترجمین: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، ناشر: اکبر بک سیلرز، لاہور، سن اشاعت: ۲۰۰۴ء، ص: ۲:۲۷/ صفحات۔
- مقالات کے لیے: مقالہ نگار کا نام، مقالے کا نام، ماہ نامہ/ سہ ماہی/ جریدہ/ مجلہ کا نام؛ جلد نمبر، شمارہ نمبر، مہینہ و سن اشاعت، جگہ؛ صفحہ نمبر/ صفحات۔

۲۱-مقالے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔